اس رسالہ میں یونانی طب اور یونان کے حکماے قدیم کا مختصر تعارف کرایا گیا ہے،

**اسلام کیا ہے**، از جناب خاں صاحب محمد منظور الٰہی، ۱۴۴ صفحے، قیمت ۸ر پتہ: منیجر دار الکتب احمدیہ بلڈنگس، لاہور،

اسمیں اسلامی عقائد و اخلاقی تعلیمات سوال وجواب کے ذریعہ بیان کئے گئے ہیں، جوابوں میں [illegible] قادیانیوں کے فرقہ احمدیہ کے خیالات کی جھلک نمایاں ہے؛

**کارنامۂ حسینؑ**، ناشر اسلامی پریس گورہٹہ پٹنہ سٹی، حجم ۵۶ صفحے،

صوبہ بہار کی شیعہ کانفرنس نے محرم کے موقع پر ملک کے مختلف مشاہیر سے سانحۂ کربلا پر اون کے تاثرات قلمبند کراکر مانگے تھے، اونہی کا مجموعہ کارنامۂ حسین کے نام سے شائع ہوا ہے، اس میں نظم و نثر دونوں قسم کے جذباتی مضامین ہیں،

**توحید**، از جناب قاری سرفراز حسین دہلوی مرحوم، قاری بکڈپو، ٹیا محل، دہلی، ۴۴ صفحات، قیمت ۲ر

قاضی سرفراز حسین مرحوم دہلوی کو آخری عمر میں مسلمانوں کے جدید علم کلام کی تدوین کی ضرورت کا احساس ہوا تھا، اسی ذیل میں انھوں نے نمونہ کے طور پر اسلامی عقائد پر رسالے لکھے تھے، ان میں کا ایک رسالہ توحید ہے، اس میں مسلمانوں کے عقیدۂ توحید علم کلام میں اس عقیدہ کے دلائل، اور دنیا میں اس عقیدہ کے پھیلنے کے اثرات دکھائے [illegible]

**آسان قواعد اردو**، از مولوی قاضی خلیل احمد صاحب صدیقی خطیب ریاست جوناگڈہ، گنگ روڈ جوناگڈہ، کاٹھیاوار، ۱۲۱ صفحے، تقطیع چھوٹی قیمت: ۔ ۹ر

یہ رسالہ اردو زبان کی صرف و نحو کے قواعد میں ہے، قواعد سہل اور آسان زبان میں لکھے گئے ہیں، اردو کی اصطلاحوں کے سامنے انگریزی زبان کی نحوی و صرفی اصطلاحیں درج کی گئی ہیں، کہ انگریزی اسکولوں کے طلبہ اُن سے زیادہ مانوس ہوتے ہیں، اور ہر سبق کیساتھ تھوڑی تھوڑی مشقیں درج ہیں، کتاب کاٹھیاوار کے بعض اسکولوں میں داخل ہے، اور طلبہ کیلئے مفید ثابت ہوئی ہے،

"ض"

---

جلد ۳۵ | ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۳۵ء | عدد ۴

## مضامین

# شذرات

ہانگ کانگ (چین) میں مسلمانوں نے ایک اسلامک لٹریری سوسائٹی قائم کی ہے، جو مسلمانوں کیلئے اور خاص طور سے مسلمان بچوں کے لئے کتابیں اور رسالے انگریزی زبان میں شائع کرتی ہے، ابھی حال میں اس نے اڈیٹر معارف کے مضمون "رسولِ وحدت" کا انگریزی ترجمہ مستقل رسالہ کی صورت میں شائع کیا ہے، لکھائی چھپائی اور کاغذ ہر چیز عمدہ ہے، اردو نہ جاننے والے انگریزی داں مسلمان محصولڈاک بھیجکر یہ رسالہ دارالمصنفین سے منگوا سکتے ہیں،

---

مذکورۂ بالا سوسائٹی نے دارالمصنفین سے اسکی خواہش کی ہے کہ وہ وہاں کے بچوں کے لئے انگریزی میں چند مذہبی تاریخی، اور اخلاقی رسالے لکھدے، دارالمصنفین نے اس کی یہ درخواست قبول کی ہے اور محمد [illegible] صاحب ایم اے ال ال بی رفیق دارالمصنفین اس کیلئے اس قسم کے رسالے تیار کر رہے ہیں، ولله الحمد،

---

جاپان میں اشاعتِ اسلام کی جو نامعتبر افواہیں، عربی اور اردو اخباروں میں شائع ہوتی ہیں، انکے متعلق ایک شذرہ چند ماہ ہوئے کہ معارف میں لکھا گیا تھا، اب پروفیسر برلاس دہلوی نے ٹوکیو سے انکا مفصل حال لکھکر بھیجا ہے، جو آئندہ معارف میں شائع ہوگا، اس مضمون سے ان افواہوں کی پوری تنقید اور وہاں کی صورتِ حال کی پوری تفصیل معلوم ہوگی،

---

ملیبار کی جس مسلم لٹریچر سوسائٹی کا ذکر گذشتہ معارف میں آیا تھا، اور اسکو جمعیۃ العلماء کیرلا سے وابستہ بتایا گیا تھا، اب اس سوسائٹی کے ڈائرکٹر، اور جمعیۃ دعوت و تبلیغ اسلام مالابار کے جائنٹ



سکریٹری کا خط آیا ہے کہ سوسائٹی مذکور کو جمعیۃ العلماء کیرلا سے اسی قدر تعلق ہے کہ اس کے چند ارکان سوسائٹی میں بمعاوضہ کام کرتے ہیں، ہمیں یہ سنکر خوشی ہوئی کہ جمعیۃ دعوت و تبلیغ جس کی اکثر شاخیں بند ہو چکیں اس کی مالابار والی شاخ اب تک کام کر رہی ہے، اس کا یتیم خانہ بھی ابتک اچھی حالت میں چل رہا ہے، اور اسی جمعیۃ کے زیر سایہ مسلم لٹریچر سوسائٹی ترجمۂ قرآن کا کام کر رہی ہے، خدا اس کو کامیاب کرے اور مسلمانوں کو باہم ملکر کام کرنے کی توفیق بخشے،

---

ہمارے کارکن افراد میں سب سے بڑی کمی اخلاص کی ہے، یہ فقرہ جو استعمال کیا گیا ہے یہ کوئی واعظانہ خیال آرائی اور ناصحانہ نکتہ فروشی نہیں ہے، بلکہ یہ نفسیاتِ شخصی اور نفسیاتِ اجتماعی کی ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار ناممکن ہے، جبتک کوئی کام دل کے لگن سے، پورے قوائے دماغی و جسمانی کے انہماک سے اغراض غیر سے ہر طرح بے نیاز ہو کر نہیں کیا جاتا، اسکی پائدار اور مستقل کامیابی کا یقین کبھی نہیں کیا جا سکتا ہے، دنیا میں جب کوئی کام کیا گیا ہے، اسی اصول پر کامیاب ہوا ہے، اور آئندہ بھی اسی طرح کامیاب ہوگا، صرف شہرت طلبی، جاہ [illegible] ناموری، یا معاوضہ کی خاطر جو کام بھی ہوگا، اسکی بنیاد ریت پر ہوگی، جو سیلاب کا ایک دھکا، اور آندھی کا ایک جھونکا بھی برداشت نہ کر سکیگی،

---

اس حقیقت کو مذہبی اصطلاح میں ہم یوں ادا کرتے ہیں، کہ ہمارے ہر کام کی غرض رضائے الٰہی کے سوا کچھ اور نہ ہونی چاہئے، اسی لئے تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں یہ ہے کہ مخلصین له الدین دین کو اور کونسا کام دین نہیں ہے، صرف خدا کے لئے ہونا چاہئے، اور جب ایسا ہوگا خود غرضوں کی خود غرضی حاسدوں کا حسد، اور خود کام کرنے والوں کی خود مطلبی اس کو برباد نہ کر سکیگی،

---

ملک میں تعلیمی انقلاب کا جو شور ہر طرف سے بلند تھا، اس نے آخر حکومت کو بھی اپنی طرف جھکا لیا، چنانچہ ہمارے صوبہ میں نظامِ تعلیم کے انقلاب اور تغیر کا مسئلہ زیر غور ہے، سنا جاتا ہے کہ درجۂ ہشتم تک عام و مشترک مضامین کی، پھر چند سال تک مختلف صنعتوں کی تعلیم ہوگی، اور اس کے بعد صرف وہ طالب علم جن کی غرض حصولِ علم اور

اعلیٰ تعلیم ہوگی، کالجوں میں داخل ہونگے، انقلابِ تعلیم کا یہ سرسری خاکہ بظاہر ضروریات ملکی کے مطابق معلوم ہوتا ہے بشرطیکہ اس کو نیک نیتی کیساتھ کیا جائے، ورنہ یہ سمجھا جائیگا کہ حکومت نے بے روزگاری کے مسئلہ کا یہ حل نکالا ہے کہ تعلیم یافتوں کی تعداد کو کم کر دیا جائے، پھر طلبہ کو تنہا صنعتوں کی تعلیم دلانا بھی بیکار ہوگا، اگر صنعتیں کے کارخانے بھی حکومت قائم نہ کرے، صرف سالہائے تعلیم کا تغیر، اور مضامین کا گھٹانا بڑھانا اصلاح نہیں،

---

ہماری قدیم تعلیمی مجلس مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس پچھلے مہینہ آگرہ میں ہوا، اور مختلف تعلیمی ضروریات پر گفتگوئیں ہوئیں اور تجویزیں پاس ہوئیں، ہمارے پرانے ماہر تعلیم ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب اس جلسہ کے صدر تھے، موصوف خود بھی ملک کے موجودہ نظام تعلیم کے سخت مخالف ہیں، اسلئے پہلے سے یہ توقع تھی کہ وہ مسلمانوں کی تعلیم کے مسئلہ کو اپنے ذاتی تجربوں اور مشاہدوں کی بنا پر بیان کرینگے، چنانچہ گو ان کا خطبۂ صدارت مختصر ہے، مگر پُر معنی ہے،

---

انھوں نے سچ کہا کہ سرسید کے مقاصد والی ایجوکیشنل کانفرنس کا زمانہ ختم ہوگیا، اور اب نئے حالات اور نئے دورِ خیالات میں ہماری کانفرنس کو اپنے طریقِ عمل اور نصب العین دونوں میں تبدیل و تغیر کی ضرورت ہے، اسی لئے انھوں نے آیندہ اس کانفرنس کے لئے حسب ذیل تین شعبے تجویز کئے، مسلمانوں کی بیکاری دور کرنے کا شعبہ، دوسرا دیہاتی ترقی کی تجویز کو عمل میں لانے والا شعبہ، اور تیسرا کونسل اور اسمبلی کے ممبروں سے تعلقات پیدا کرکے کانفرنس کی تجاویز کو منظور کرانے والا، کیونکہ اب تجاویز کو منظور کرکے سرکاری دفتروں میں بھجوا دینا بے معنی ہے،

---

ہمارے خیال میں اس وقت سب سے اہم چیز دیہاتی تعلیم و ترقی میں مسلمانوں کے حصہ کا مسئلہ ہے، ہندوؤں نے گاندھی جی کے حسب منشا اس کیلئے عمل شروع کر دیا ہے، اور چندے جمع ہو رہے ہیں، دوسری طرف حکومت بھی اس بازی کو ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتی، اور ایک کرور روپیہ اس کام کیلئے منظور کر چکی ہے، لیکن مسلمانوں کی محفلوں میں ابھی اب تک اسکی بھنک بھی نہیں پہنچی ہے، اگر ایجوکیشنل کانفرنس اس کام کو مستعدی سے اپنے ہاتھ میں لے تو بڑا کام کرے گی،

---



# مقالات

## توکّل،

(سیرت جلد پنجم کے چند صفحے)

توکّل ہماری زبان اور صوفیانہ اصطلاح کا معمولی لفظ ہے، عام لوگ اس کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ کسی کام کے لیے جد و جہد اور کوشش نہ کیجائے بلکہ چپ چاپ ہاتھ پاؤں توڑ کر کسی حجرہ یا خانقاہ میں بیٹھ رہا جائے، اور یہ سمجھا جائے کہ خدا کو جو کچھ کرنا ہے وہ خود کریگا، یعنی تقدیر میں جو کچھ ہے وہ ہو رہیگا، اسباب اور تدبیر کی ضرورت نہیں، لیکن یہ سراسر وہم ہے، اور مذہبی اپاہجوں کا دلخوش کن فلسفہ ہے، جس کو اسلام سے ایک ذرہ تعلق نہیں،

**توکّل** اسلام کی نہایت اہم تعلیم ہے، اس کے لفظی معنی بھروسہ کرنے کے ہیں، یعنی خدا پر بھروسہ کرنا، لیکن کس بات میں بھروسہ کرنا، کسی کام کے کرنے میں یا نہ کرنے میں؟ جھوٹے صوفیوں نے ترکِ عمل، اسباب و تدبیرات سے بے پروائی، اور خود کوئی کام نہ کرکے دوسروں کے سہارے جینے کا نام توکل رکھا ہے، حالانکہ توکل نام ہے کسی کام کو پورے ارادہ و عزم اور تدبیر و کوشش کے ساتھ انجام دینا، اور یہ یقین رکھنا کہ اگر اس کام میں بھلائی ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں ضرور ہی ہم کو کامیاب فرمائیگا،

اگر تدبیر اور جد وجہد و کوشش کا ترک ہی توکل ہوتا، تو دنیا میں لوگوں کے سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو مبعوث نہ کرتا اور نہ ان کو اپنی تبلیغ رسالت کے لئے جد وجہد اور سعی و سرگرمی کی تاکید فرماتا، اور نہ اس راہ میں جان ومال کی قربانی کا حکم دیتا، نہ بدر واحد، اور خندق وحنین میں سواروں، تیراندازوں، زرہ پوشوں اور تیغ آزماؤں کی ضرورت تھی، اور نہ رسول کو ایک ایک قبیلہ کے پاس جا جا کر حق کی دعوت کا پیغام سنانے کی حاجت تھی،

توکل اسلام کی تعلیم کی ایک بہت بڑی حقیقت ہے، وہ مسلمانوں کی کامیابی کا اہم راز رہا ہوتا ہے، کہ جب لڑائی یا کوئی اور مشکل کام پیش آئے، تو سب سے پہلے اس کے متعلق لوگوں سے مشورہ لو، مشورہ کے بعد جب ایک نقطہ پر رائے ٹھہر جائے تو اس کے انجام دینے کا عزم کرو اور اس عزم کے بعد کام کو پوری مستعدی اور تندہی کے ساتھ کرنا شروع کردو، اور خدا پر توکل اور بھروسہ رکھو کہ وہ تمہارے کام کا حسب خواہ نتیجہ پیدا کرے گا، اگر ایسا نتیجہ نہ نکلے تو اس کو خدا کی حکمت ومصلحت اور مشیئت سمجھو، اور اس سے مایوس اور بودے نہ ہو، اور جب نتیجہ خاطر خواہ نکلے تو یہ غرور نہ ہو کہ یہ تمہاری تدبیر اور جد وجہد کا نتیجہ اور اثر ہے، بلکہ یہ سمجھو کہ خدا تعالیٰ کا تم پر فضل وکرم ہوا، اور اوسی نے تم کو کامیاب اور بامراد کیا، آل عمران میں ہے،

| | |
|---|---|
| وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ | اور کام (یا لڑائی) میں اُن سے مشورہ لو، |
| فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ | پھر جب پکا ارادہ کر لو تو اللہ پر بھروسہ |
| الْمُتَوَكِّلِينَ ، إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ | رکھو، بیشک اللہ (اللہ پر) بھروسہ رکھنے والوں |
| فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ | کو پیار کرتا ہے، اگر اللہ تمہارا مددگار ہو |
| فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ | تو کوئی تم پر غالب نہ آسکے گا، اور اگر وہ |
| بَعْدِهِ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ | تم کو چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اسکے بعد |



| | |
|---|---|
| الْمُؤْمِنُونَ ۔ | تمہاری مدد کر سکے، اور اللہ ہی پر چاہئے |
| (آل عمران - ۱۷) | کہ ایمان والے بھروسہ رکھیں، |

ان آیات نے توکل کی پوری اہمیت اور حقیقت ظاہر کردی کہ توکل بے دست وپائی اور ترک عمل کا نہیں، بلکہ اس کا نام ہے کہ پورے عزم وارادہ اور مستعدی سے کام کو انجام دے کے ساتھ اثر اور نتیجہ کو خدا کے بھروسہ پر چھوڑ دیا جائے، اور یہ سمجھا جائے کہ خدا مددگار ہے تو کوئی ہم کو ناکام نہیں کرسکتا، اگر وہی نہ چاہے تو کسی کی کوشش ومدد کارآمد نہیں ہوسکتی، اس لئے ہر مومن کا فرض ہے کہ وہ اپنے کام میں خدا پر بھروسہ رکھے،

منافق اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں، اور راتوں کو جوڑ توڑ کرتے ہیں، حکم ہوتا ہے کہ ان کی ان مخالفانہ چالوں کی پروانہ کرو، اور خدا پر بھروسہ رکھو وہی تمہارے کاموں کو بنائیگا

| | |
|---|---|
| فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ | تو ان منافقوں سے درگذر کر اور خدا پر |
| وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ وَكِيلًا ۔ (نساء - ۱۱) | بھروسہ رکھ اللہ ہے کام بنانے والا، |

اسلام کے شروع میں تین برس کی مخفی دعوت کے بعد جب اسلام کی علانیہ دعوت کا حکم ہوتا ہے تو مخالفوں کی کثرت، اور دشمنوں کی قوت سے بے خوف ہونے کی تعلیم دی جاتی ہے، اور فرمایا جاتا ہے کہ ان مشکلات کی پروا کئے بغیر خدا پر توکل اور بھروسہ کر کے کام شروع کردو،

| | |
|---|---|
| وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ | اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ہشیار کر |
| وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ | اور مومنوں میں سے جو تیری پیروی کرے |
| مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَإِنْ عَصَوْكَ | اس کیلئے اپنی (شفقت) کا بازو جھکا، پھر |
| فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ | اگر وہ تیرا کہنا نہ مانیں تو کہدے کہ میں تمہارے |
| وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ | کاموں سے الگ ہوں، اور اس غالب |

الَّذِیْ یَرٰکَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَکَ — رحمت والے پر بھروسہ رکھ جو تجھ کو دیکھتا ہے
فِی السّٰجِدِیْنَ — جب تو (رات کو) اٹھتا ہے، اور نمازیوں میں
(شعراء-۱۱) — تیری آمد و رفت کو ملاحظہ کرتا ہے،

دشمنوں کے زغہ میں ہونے کے باوجود آنحضرت صلعم تنہائی میں راتوں کو اٹھ اٹھ کر عبادتگزار مسلمانوں کو دیکھتے پھرتے تھے، یہ جرأت اور بے خوفی اسی توکل کا نتیجہ تھا، مشکلات میں اسی توکل اور اللہ پر اعتماد کی تعلیم مسلمانوں کو دی گئی ہے، احزاب میں منافقوں اور کافروں کی مخالفانہ کوششوں سے بے پروا ہو کر اپنے کام میں لگے رہنے کا جہاں حکم دیا گیا ہے، وہاں اسی توکل کا سبق پڑھایا گیا ہے

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تُطِعِ — اے پیغمبر خدا سے ڈر، اور کافروں اور
الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ اِنَّ اللّٰہَ — منافقوں کا کہا نہ مان، بیشک اللہ
کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا وَّاتَّبِعْ مَا یُوْحٰی — جاننے والا اور حکمت والا ہے، اور جو تیرے
اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ اِنَّ اللّٰہَ — پاس تیرے پروردگار کی طرف سے وحی
کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا، وَ — کیجاتی ہے اس کے پیچھے چل، بیشک خدا تمھارے
تَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا — کاموں سے خبردار ہے، اور اللہ پر بھروسہ
(احزاب-۱) — رکھ اور اللہ کام بنانے کو کافی ہے،

کفار سے مسلسل لڑائیوں کے پیش آنے کے بعد یہ ارشاد ہوتا ہے کہ اگر اب بھی یہ لوگ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ، اور مصالحت کرلو، اور یہ خیال نہ کرو کہ یہ بدعہد کہیں دھوکا نہ دیں، خدا پر بھروسہ رکھو تو ان کے فریب کا داؤ کامیاب نہ ہوگا،

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَھَا وَ — اور اگر وہ صلح کے لئے جھکیں تو تو بھی
تَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ — جھک جا، اور خدا پر بھروسہ رکھ، بیشک



الْعَلِیْمُ وَاِنْ یُّرِیْدُوْٓا اَنْ یَّخْدَعُوْکَ — وہ سننے والا اور جاننے والا ہے، اور اگر
فَاِنَّ حَسْبَکَ اللّٰہُ ھُوَ الَّذِیْٓ — وہ تجھے دھوکا دینا چاہیں تو کچھ پروا
اَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ — نہیں، کہ تجھے اللہ کافی ہے، اسی نے
(انفال-۸) — اپنی اور مسلمانوں کی نصرت سے تیری تائید کی،

یہود جن کو اپنی دولت، ثروت اور علم پر ناز تھا، ان سے بھی بے خوف و خطر ہو کر اللہ کے بھروسہ پر مسلمانوں کو حق کی تائید کے لئے کھڑے ہو جانے کا حکم ہوتا ہے،

اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَقُصُّ عَلٰی بَنِیْٓ — بیشک یہ قرآن بنی اسرائیل سے اکثر وہ
اِسْرَآءِیْلَ اَکْثَرَ الَّذِیْ ھُمْ فِیْہِ — باتیں ظاہر کر دیتا ہے، جس میں وہ مختلف
یَخْتَلِفُوْنَ وَاِنَّہٗ لَھُدًی وَّرَحْمَۃٌ — ہیں، اور بیشک یہ قرآن مسلمانوں کیلئے
لِّلْمُؤْمِنِیْنَ، اِنَّ رَبَّکَ یَقْضِیْ — ہدایت اور رحمت ہے، بیشک تیرا پروردگار
بَیْنَھُمْ بِحُکْمِہٖ، وَھُوَ الْعَزِیْزُ — ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کردیگا
الْعَلِیْمُ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ اِنَّکَ — اور وہی غالب اور جاننے والا ہے،
عَلَی الْحَقِّ الْمُبِیْنِ، (نمل-۶) — تو تو خدا پر بھروسہ رکھ بیشک تو کھلے حق پر ہے

اسلام کی تبلیغ اور دعوت کی مشکلوں میں بھی خدا ہی کے اعتماد اور بھروسہ پر کام کرنے کی ہدایت ہے، کہ وہ ایسی طاقت ہے جس کو زوال نہیں، اور ایسی ہستی ہے جس کو فنا نہیں، فرمایا،

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ — اور میں نے تو (اے رسول) تجھے خوشخبری
نَذِیْرًا، قُلْ مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ — سنانے والا، اور ہشیار کرنے والا بنا کر
اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ — بھیجا ہے، کہدے کہ میں تم سے اس کے
اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا، وَتَوَکَّلْ عَلَی — سوا (اپنے کام کی) کوئی مزدوری نہیں

| | |
|---|---|
| اَلْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ، | مانگتا کہ جو چاہے اپنے پروردگار کا رستہ |
| | قبول کرے، اور اس زندہ رہنے والے |
| (فرقان - ۵) | پر بھروسہ کر جس کو موت نہیں آتی، |

رسول کو ہدایت ہوتی ہے کہ تم اپنا کام کئے جاؤ، مخالفین کی پروا نہ کرو، اور خدا پر بھروسہ رکھو، جس کے سوا کوئی با اختیار نہیں،

| | |
|---|---|
| فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ | تو اگر یہ (مخالفین) کہا نہ مانیں، تو (ان سے) |
| لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ، عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ | کہدو کہ مجھے اللہ کافی ہے، نہیں کوئی |
| وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ، | معبود، لیکن وہی، اسی پر میں نے بھروسہ |
| (توبہ - ۱۶) | کیا، وہ بڑے تخت کا مالک ہے، |

آپس کے اختلافات میں اللہ کا فیصلہ چاہئے، اس حالت میں بھی اُسی پر بھروسہ ہے،

| | |
|---|---|
| وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْہِ مِنْ شَیْءٍ | اور جس چیز میں تم میں رائے کا اختلاف |
| فَحُکْمُہٗٓ اِلَی اللّٰہِ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ | ہے، تو اسکا فیصلہ خدا کی طرف ہی، وہی |
| رَبِّیْ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ | اللہ ہے میرا پروردگار، اسی پر میں بھروسہ |
| اُنِیْبُ، (شوریٰ - ۲) | کرتا ہوں، اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں |

رسول کو اپنی نادان قوم کو خدا کی آیتوں کو پڑھ کر سنانے کا حکم ہوتا ہے، اور تسلی دی جاتی ہے کہ اُن کے کفر و نافرمانی کی پروا نہ کرو، اور اپنی کامیابی کے لئے خدا پر بھروسہ کرو،

| | |
|---|---|
| کَذٰلِکَ اَرْسَلْنٰکَ فِیْٓ اُمَّۃٍ | ایسا ہی ہم نے تجھے اس قوم میں بھیجا ہے |
| قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِھَآ اُمَمٌ | جس سے پہلے بہت سی قومیں گذر چکیں، |
| لِّتَتْلُوَا عَلَیْھِمُ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ | تاکہ تو اس کو وہ پیام سنائے جو ہم نے |



| | |
|---|---|
| اِلَیْکَ وَھُمْ یَکْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ | تجھ پر وحی کیا ہے، اور وہ رحمان کے |
| قُلْ ھُوَ رَبِّیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ | ماننے سے انکار کرتے ہیں، کہدے کہ وہ میرا |
| عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ مَتَابِ، | پروردگار ہے کوئی معبود نہیں لیکن وہی |
| (رعد - ۴) | اُسی پر میں نے بھروسہ کیا، اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں |

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کرم پر ہمیشہ ایک مسلمان کو بھروسہ رکھنا چاہئے، اور گمراہوں کی ہدایت کا فرض ادا کرنے کے بعد ان کی شرارتوں سے پراگندہ خاطر نہ ہونا چاہئے، کفار کو یہ آیت سنا دینی چاہئے،

| | |
|---|---|
| قُلْ ھُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِہٖ وَعَلَیْہِ | کہدے وہی رحم والا ہے، ہم اس پر ایمان لائے |
| تَوَکَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ ھُوَ فِیْ | اور اسی پر بھروسہ کیا، تو تم جان لوگے کہ کون |
| ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ، (الملک - ۲) | کھلی گمراہی میں ہے، |

جس طرح ہمارے رسولؐ کو اور عام مسلمانوں کو ہر قسم کی مصیبتوں، مخالفتوں، اور مشکلوں میں خدا پر توکل اور اعتماد رکھنے کی ہدایت بار بار ہوئی ہے، آپ سے پہلے پیغمبروں کو بھی اس قسم کے موقعوں پر اسی کی تعلیم دی گئی ہے، اور خود اولوالعزم رسولوں کی زبانوں سے عملاً اس تعلیم کا اعلان ہوتا رہا ہے، حضرت نوح علیہ السلام جب تن تنہا سالہا سال تک کافروں کے نرغہ میں پھنسے رہے تو انھوں نے پوری بلند آہنگی کے ساتھ اپنے دشمنوں کو یہ اعلان دیا،

| | |
|---|---|
| وَاتْلُ عَلَیْھِمْ نَبَاَ نُوْحٍ اِذْ قَالَ | (اے پیغمبر!) ان کو نوحؑ کا حال سنا جب |
| لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ اِنْ کَبُرَ عَلَیْکُمْ | اس نے اپنی قوم سے کہا، اے میرے لوگو! |
| مَّقَامِیْ وَتَذْکِیْرِیْ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ | اگر میرا رہنا اور اللہ کی نشانیوں کیساتھ |
| فَعَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا | میرا نصیحت کرنا، تم پر شاق گذرتا ہے |

| | |
|---|---|
| اَمْرَکُمْ وَشُرَکَآءَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُنْ | تو اللہ پر میں نے بھروسہ کر لیا ہے، تو تم اپنی |
| اَمْرُکُمْ عَلَیْکُمْ غُمَّۃً ثُمَّ اقْضُوْآ | تدبیر کو اور اپنے شریکوں کو خوب مضبوط |
| اِلَیَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ، | کرلو، پھر تم پر تمھاری تدبیر چھپی نہ رہے، پھر |
| (یونس - ۸) | اسکو مجھ پر پورا کرلو، اور مجھے مہلت مت دو، |

غور کیجئے کہ حضرت نوحؑ دشمنوں کے ہر قسم مکر، فریب، سازش اور لڑائی، بھڑائی کے مقابلہ میں استقلال اور عزیمت کے ساتھ خدا پر توکل اور اعتماد کا اظہار کس پیغمبرانہ شان سے فرما رہے ہیں،

حضرت ہود علیہ السّلام کو ان کی قوم جب اپنے دیوتاؤں کے قہر اور غضب سے ڈراتی ہے، تو وہ جواب میں فرماتے ہیں،

| | |
|---|---|
| اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا | میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں، اور تم بھی گواہ |
| اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ مِنْ | رہو کہ اس سے بیزار ہوں جنکو تم خدا کے سوا شریک |
| دُوْنِهٖ فَکِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا | ٹھہراتے ہو، پھر تم سب مل کر میرے ساتھ |
| تُنْظِرُوْنِ ، اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ | داؤ کر لو، پھر مجھے مہلت نہ دو، میں نے |
| رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ ؕ | اللہ پر جو میرا پروردگار اور تمھارا پروردگار |
| (ہود - ۵) | ہے، بھروسہ کر لیا ہے، |

حضرت شعیب علیہ السّلام اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ مجھے تمھاری مخالفتوں کی پروا نہیں، مجھے جو اصلاح کا کام کرنا ہے، وہ کرونگا، میرا تکیہ خدا پر ہے،

| | |
|---|---|
| اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ | میں تو جب تک مجھ میں طاقت ہے کام سدھارنا |
| وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَیْهِ | چاہتا ہوں میری توفیق اللہ ہی سے ہے، اسی پر |
| تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ ، (ہود - ۸) | میں نے بھروسہ کیا ہے، اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں |



ان پیغمبروں کی اس استقامت، صبر اور توکل کے واقعات سنانے کے بعد رسول اللہ صلعم کو تسلی دی جاتی ہے، کہ تم کو بھی اپنے کاموں کے مشکلات میں اس طرح خدا پر توکل کرنا چاہئے،

| | |
|---|---|
| قُلْ لِّلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا | کہدے ان سے جو ایمان نہیں لاتے کہ تم |
| عَلٰی مَکَانَتِکُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ، وَانْتَظِرُوْا | اپنی جگہ کام کرو، ہم بھی کرتے ہیں، اور تم |
| اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ، وَلِلّٰهِ غَیْبُ | بھی (نتیجہ کا) انتظار کرو، ہم بھی کرتے ہیں، |
| السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَیْهِ | اور اللہ ہی کے قبضہ میں ہے، آسمانوں کا |
| یُرْجَعُ الْاَمْرُ کُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ | اور زمین کا چھپا بھید، اور اسی کی طرف سارے |
| وَتَوَکَّلْ عَلَیْهِ ؕ | کاموں کا فیصلہ لوٹایا جاتا ہے، پھر اس کی |
| (ہود - ۱۰) | عبادت کر، اور اس پر بھروسہ رکھ، |

مسلمانوں کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور ان کے پیرووں کا نمونہ پیش کیا جارہا ہے کہ وہ صرف خدا کے بھروسہ پر عزیز و قریب سب کو چھوڑ کر الگ ہو گئے، اور خدا کی راہ میں کسی کی دوستی اور محبت کی پروا نہ کی،

| | |
|---|---|
| قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ | تمھارے لئے ابراہیم اور اُن کے ساتھیوں |
| فِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ | میں پیروی کا اچھا نمونہ ہے، جب انھوں |
| قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْکُمْ | نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور خدا کے |
| وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ | سوا جنکو تم پوجتے ہو ان سے بیزار ہیں، ہم نے |
| کَفَرْنَا بِکُمْ وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمُ | تمھارے مسلک کا انکار کر دیا، اور ہم میں اور |
| الْعَدَاوَۃُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا | تم میں دشمنی اور ہمیشہ کے لئے نفرت کھل گئی، |
| حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا | جب تک تم ایک خدا پر ایمان نہ لاؤ، مگر |

قَوْلَ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ
لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ
مِنْ شَيْءٍ، رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا
وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ،
(ممتحنہ - ۱)

ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا کہ میں تمہارے
لئے خدا سے دعا کرونگا، اور مجھے خدا کے کام
میں کوئی اختیار نہیں، اے ہمارے پروردگار
تجھی پر ہم نے بھروسہ کیا، اور تیری ہی طرف
ہم نے رجوع کیا، اور تیرے ہی پاس لوٹ کر جانا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے عزیز بیٹوں کو مصر بھیجتے ہیں، لیکن فرط محبت سے ڈرتے ہیں کہ یوسف کی طرح ان کو بھی کوئی مصیبت نہ پیش آجائے، بیٹوں کو کہتے ہیں، کہ تم سب شہر کے ایک دروازہ سے نہیں، بلکہ متفرق دروازوں سے اندر جانا، اس ظاہری تدبیر کے بعد خیال آتا ہے کہ کارساز حقیقی تو خدا ہے، ان تدبیروں سے اس کا حکم ٹل تھوڑا ہی سکتا ہے، اس لئے بھروسہ تدبیر پر نہیں، بلکہ خدا کی کارسازی پر ہے،

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْ
بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ
اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ
مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِنِ الْحُكْمُ
اِلَّا لِلّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ، (یوسف - ۸)

اور (یعقوب نے) کہا، اے میرے بیٹو، ایک
دروازہ سے نہ جانا، بلکہ الگ الگ دروازوں
سے جانا، اور میں تم کو خدا سے ذرا بھی بچا نہیں
سکتا، فیصلہ اسی کا ہے، اسی پر میں نے
بھروسہ کیا، اور اسی پر چاہئے کہ بھروسہ
کرنے والے بھروسہ کریں،

حضرت یعقوب علیہ السلام کے اس عمل سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ ظاہری تدبیر شانِ توکل کے منافی نہیں،

حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت کے جواب میں جب ان کی قوم ان کو زبردستی بت پرستی



بن جانے پر مجبور کرتی ہے، ورنہ ان کو گھر سے باہر نکال دینے کی دھمکی دیتی ہے، تو اس کے جواب میں پوری استقامت کے ساتھ فرماتے ہیں،

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ
عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ
مِنْهَا وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ
فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا
وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا عَلَى اللّٰهِ
تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ
قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ
(اعراف - ۱۱)

اگر ہم پھر تمہارے مذہب میں آجائیں جب
ہم کو خدا اس سے بچا چکا تو ہم نے خدا پر جھوٹ
باندھا، اور یہ ہم سے نہیں ہوسکتا کہ ہم پھر
اس میں لوٹ کر جائیں، مگر یہ کہ ہمارا پروردگار
خدا ہی چاہے، ہمارا پروردگار اپنے علم سے ہر چیز
کو سمائے ہے، ہم نے خدا پر بھروسہ کیا، اے
ہمارے پروردگار ہمارے اور ہماری قوم
کے بیچ میں تو حق کا فیصلہ کردے، اور تو ہی
سب فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے دل بادل لشکر اور شاہانہ زور و قوت کے مقابلہ میں بنی اسرائیل کو خدا ہی پر توکل کی تعلیم دی، فرمایا،

يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ
فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ (یونس - ۹)

اے میرے لوگو! اگر تم خدا پر ایمان لاچکے ہو
تو اسی پر بھروسہ کرو، اگر تم فرمانبردار ہو،

ان کی قوم نے بھی پوری جرأت کے ساتھ جواب دیا،

عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا
فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ، (یونس - ۹)

ہم نے خدا ہی پر بھروسہ کیا، ہمارے پروردگار
ہم کو ظالم قوم کے لئے آزمائش نہ بنا،

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی ہر تدبیر کو جس طرح کامیاب بنایا، اور ان کو اپنی

خاص خاص نوازشوں سے جس طرح سرفراز کیا، اُس سے ہر شخص واقف ہے، یہ سب کچھ ان کے اس توکل کے صدقہ میں ہوا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں اپنا یہ اصول ہی ظاہر فرما دیا ہے

مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ جو خدا پر بھروسہ کرے گا، تو وہ اسکو کافی ہے، (طلاق - ۱)

یہ آیتِ پاک خانگی و معاشرتی مشکلات کے موقع کی ہے، کہ اگر میاں بیوی میں نباہ کسی طرح نہ ہو سکے اور دونوں میں قطعی علٰحدگی (طلاق) ہو جائے، تو پھر عورت کو اس سے ڈرنا نہ چاہئے کہ ہمارا سامان کیا ہوگا، اور ہم کہاں سے کھائیں گے؟ ع خدا خود میر سامان است ارباب توکل را،

توکل کے تعلق سے قرآنِ پاک کی جس قدر آیتیں ہیں، وہ ایک ایک کرکے آپ کے سامنے ہے، ہر ایک پر غور کی نظر ڈالئے کہ ان میں سے کوئی بھی ان معنوں میں ہے، جن میں ہم اپنی جہالت سے اسکو سمجھتے ہیں، ان میں سے ہر ایک کا مفہوم یہ ہے کہ ہم مشکلات کے ہجوم، موانع کی کثرت اور پر زور مخالفوں کی تدبیروں سے نڈر ہو کر استحکام، عزم اور استقلال کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہیں، خدا کی مدد سے کام کے حسب خواہ نتیجہ پیدا ہونے کا دل میں یقین رکھیں،

احادیث میں ہے کہ ایک بدوی اونٹ پر سوار ہو کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں آیا، اور سوال کیا کہ یا رسول اللہ! میں اونٹ کو یوں ہی چھوڑ کر خدا پر توکل کروں (کہ میرا اونٹ مجھکو مل جائیگا) یا اس کو باندھ کر؟ ارشاد ہوا، اس کو باندھ کر خدا پر توکل کرو[۱]۔ اسی واقعہ کو مولانا رومی نے اس مصرع میں ادا کیا ہے، ع

برتوکل زانوے اُشتر بہ بند

[۱] یہ حدیث بلفظ اعقلہا و توکل، ترمذی (آخر ابواب القیامۃ ص ۱۴۰) میں، اور قیدھا و توکل شعب الایمان بیہقی میں، اور قیدھا و توکل خطیب کی، روایۃ مالک اور ابن عساکر میں ہے۔ (کنز العمال جلد ۲ ص ۲۳ حیدرآباد)



یہ روایت سند کے لحاظ سے قوی نہیں، تاہم حقیقت کے رو سے اس کا مفہوم قرآنِ پاک کے عین منشا کے مطابق ہے،

بعض لوگ تعویذ، گنڈا، غیر شرعی[۱] جھاڑ پھونک، ٹوٹکے منتر پر یقین رکھتے ہیں، اور سمجھتے ہیں، کہ مادی اسباب و تدابیر کو چھوڑ کر ان چیزوں سے مطلب برآری کرنا ہی توکل ہے، جاہلیت کے وہم پرست بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے، لیکن آنحضرت صلعم نے ان کے اس خیال کی تردید کر دی اور فرمایا کہ خدا نے وعدہ کیا ہے کہ میری امت سے ستر ہزار اشخاص حساب کتاب کے بغیر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے، یہ وہ ہونگے جو تعویذ گنڈا نہیں کرتے، جو بدشگونی کے قائل نہیں جو داغ نہیں کرتے بلکہ اپنے پروردگار پر توکل اور اعتماد رکھتے ہیں[۲]، ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ "جو داغواتا اور تعویذ گنڈا کراتا ہے وہ توکل سے محروم ہے[۳]"۔ اس سے مقصود نفس تدبیر کی ممانعت نہیں، بلکہ جاہلانہ اوہام کی بیخ کنی ہے، ایک اور موقع پر ارشاد ہوا کہ "اگر تم خدا پر توکل کرتے جیسا کہ توکل کرنے کا حق ہے تو خدا تم کو ویسے روزی پہنچاتا جیسے پرندوں کو پہنچاتا ہے کہ صبح کو بھوکے جاتے ہیں، اور شام کو سیر ہو کر واپس آتے ہیں[۴]" اس حدیث سے بھی مقصود ترکِ عمل اور ترکِ تدبیر نہیں، کیونکہ پرندوں کو ان کے گھونسلوں میں بٹھا کر یہ رزق نہیں پہنچایا جاتا، بلکہ ان کو بھی اُڑ کر کھیتوں اور باغوں میں جانے اور رزق کے تلاش کرنے کی ضرورت پیش

[۱] شرعی کلمات حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں ہیں، اور اس کے کلام پاک سے تبرک حاصل کرنا ہے، لیکن آیات اور دعاؤں کا لکھکر بدن میں لٹکانا یا گھول کر پینا، یا خاص قیود کے ساتھ اعداد میں انکو لکھنا ثابت نہیں،

[۲] صحیح بخاری کتاب الطب باب من لم یرق و کتاب الرقاق و صحیح مسلم کتاب الایمان جاہلیت میں اکثر بیماریوں کا علاج آگ سے داغ کر کرتے تھے

[۳] جامع ترمذی باب ماجاء فی کراہیۃ الرقی، اصل الفاظ یہ ہیں، من اکتوی او استرقی فقد بریٔ من التوکل،

[۴] جامع ترمذی ابواب الزہد ص ۳۴۵ و حاکم،

آتی ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ جو لوگ خدا پر توکل اور اعتماد سے محروم ہیں وہ روزی کے لئے دل تنگ اور کبیدہ خاطر ہوتے ہیں، اور اس کے حصول کے لئے ہر قسم کی بدی اور برائی کا ارتکاب کرتے ہیں، حالانکہ اونھیں اگر یہ یقین ہو کہ

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا (ہود-۱)

زمین میں کوئی جاندار نہیں، لیکن اس کی روزی خدا کے ذمہ ہے

تو وہ اس کے لئے چوری، ڈاکہ، قتل، بے ایمانی، اور خیانت وغیرہ کے مرتکب نہ ہوتے، اور نہ ان کو دلتنگی اور مایوسی ہوا کرتی، بلکہ صحیح طور سے وہ کوشش کرتے اور روزی پاتے، ان کا یہی مفہوم ہے جو قرآن پاک کی اس آیت میں ادا ہوا ہے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (طلاق-۱)

اور جو کوئی اللہ سے ڈرے، وہ اس کیلئے مشکل سے نکلنے کا راستہ کردیگا، اور اُسکو وہاں سے روزی دیگا جہاں سے اسکو گمان نہ ہوگا، اور جو اللہ پر بھروسہ کریگا تو وہ اسکو بس ہے، بیشک اللہ اپنے ارادہ کو پہنچکر رہتا ہے، اس نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ مقرر کردیا ہے۔

اوپر کی تفصیلوں سے ہویدا ہے کہ توکل جس قلبی یقین کا نام ہے، اُسی کے قریب قریب آج کل اخلاقیات میں "خود اعتمادی" کا لفظ بولا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ کامیاب افراد وہی ہوتے ہیں جنمیں یہ جوہر پایا جاتا ہے، لیکن اس خود اعتمادی کی سرحد سے بالکل قریب غرور اور فریب نفس کے گڈھے اور غار بھی ہیں، اس لئے اسلام نے انانیت کی خود اعتمادی کے بجائے "خدا اعتمادی" کا نظریہ پیش کیا ہے جو ان خطروں سے محفوظ



# تصوّف کی اجمالی تاریخ

اور

## اوس پر نقد و بحث

از

مولینا عبد السلام ندوی

مجھکو ایک زمانے میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ تصوف کی ایک مستقل تاریخ موجودہ مذاق کے مطابق مرتب کروں، اس خیال کی بنا پر متعدد کتابوں سے تاریخ تصوف کے متعلق مختلف معلومات جمع کیے تھے، لیکن بعض موانع سے یہ خیال عملی صورت میں نہ آسکا، تاہم وہ پراگندہ معلومات اب تک محفوظ ہیں، اور اب اون کو ایک مضمون کی صورت میں مرتب کرکے ناظرین معارف کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، کہ "مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهُ لَا يُتْرَكُ كُلُّهُ"۔

(عبد السلام ندوی)

تصوف کی ابتدا

جہاں تک زہد و عبادت، اور مجاہدہ و ریاضت کا تعلق ہے، تصوف کی ابتدا خود آغاز اسلام ہی میں ہو چکی تھی، اور تبتل اور ترک دنیا کا خیال بعض صحابہ کے دل میں اس وسیع پیمانے پر پیدا ہو چکا تھا جسکی سرحد رہبانیت سے مل گئی تھی، لیکن آنحضرت صلعم کی تعلیم و تلقین سے اون کے اس خیال کی روک تھام اور اصلاح ہوتی رہتی تھی، چنانچہ ایک بار حضرت عثمان بن مظعون، رسول اللہ صلعم کی خدمت میں آئے اور کہا کہ "یا رسول اللہ میرا دل کہتا ہے کہ خصی ہو جاؤں، پہاڑوں میں جاکر رہبانیت اختیار کرلوں، زمین کی سیاحت کروں، اپنے تمام مال و دولت سے دست بردار ہو جاؤں، اپنی بی بی کو طلاق دیدوں، گوشت نہ کھاؤں، خوشبو نہ لگاؤں"، لیکن رسول اللہ صلعم نے ان باتوں میں سے اونھیں کسی کی

اجازت نہین دی،

تاہم اون کے عمل میں رہبانیت کی جھلک باقی رہی چنانچہ ایک بار اون کی بی بی نہایت بری حالت میں ازواجِ مطہرات کے پاس آئیں، توسب نے کہا کہ "تمھاری یہ حالت کیون ہے؟ قریش میں توکوئی شخص تمھارے شوہر سے زیادہ دولتمند نہیں ہے،" بولیں "ہم سے اون سے کیا تعلق؟ وہ تورات بھر نماز پڑھتے ہیں، دن بھر روزے رکھتے ہیں" ازواجِ مطہرات نے آپ سے اس کا ذکر کیا، تو آپ نے اون کو یہ ہدایت فرمائی کہ "تم پر تمھاری آنکھ کا حق ہے، تمھارے جسم کا حق ہے، تمھاری بی بی کا حق ہے، نماز بھی پڑھو، اور سوؤ بھی، روزہ بھی رکھو، اور افطار بھی کرو" حضرت عثمان بن مظعون رض نے عبادت کیلئے ایک خاص گھر بھی بنالیا تھا، جس میں بیٹھکر عبادت کیا کرتے تھے، لیکن رسول اللہ صلعم کو جب اسکی خبر ہوئی تو دو تین بار فرمایا کہ "خدا نے مجھکو رہبانیت کیساتھ مبعوث نہیں کیا ہے، خدا کے نزدیک بہترین دین حنیفیہ آسان ہے"[1]

ایک صحابی تھے، جو رسول اللہ صلعم کی خدمت میں آئے، پھر چلے گئے، دوبارہ ایک سال کے بعد پلٹ کر حاضرِ خدمت ہوئے، تو شکل وصورت بالکل بدل گئی تھی، اسلئے رسول اللہ صلعم نے اون کو نہیں پہچانا تو وہ خود بولے، کہ "آپ نے مجھے نہیں پہچانا، میں وہی باہلی ہون، جو پہلے سال آیا تھا" فرمایا "تمھاری یہ حالت کیون ہوگئی؟" بولے "آپ کے یہاں سے جانے کے بعد میں نے رات کو کھانا نہیں کھایا" فرمایا تم نے اپنی جان کو عذاب کیوں دیا، صرف رمضان کے روزے رکھو، اور ہر مہینے میں ایک دن" انھوں نے کہا کہ "مجھکو اس سے زیادہ کی اجازت دیجئے" فرمایا کہ "رمضان کے علاوہ ہر مہینے میں دو دن کے روزے" بولے "اس سے زیادہ کی اجازت ہو" فرمایا "رمضان کے سوا ہر مہینے میں تین دن کے روزے"[2]

صحابہ کرام کے مقدس گروہ میں اس قسم کے اور بھی بہت سے بزرگون کے نام مل سکتے ہیں، لیکن ان میں سب سے زیادہ مؤثر شخصیت حضرت ابوذر غفاری رض کی ہے جن کا اخلاقی نظریہ یہ تھا کہ کسی شخص کو اپنے پاس سونا اور چاندی نہین رکھنا چاہئے، اور اوس کی اشاعت کیلئے انھوں نے سخت مجاہدانہ کوششیں کی تھیں، اور اسی لئے اُن کو مدینہ سے جلاوطن ہوکر بمقام ربذہ قیام کرنا پڑا تھا،

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۲۸۷، اور صحاح میں بھی جستہ جستہ یہ واقعات ہیں۔ [2] ابوداؤد کتاب الصوم باب فی صوم اشہر الحرم



اصحاب صفہ

ان شخصی مثالوں کے علاوہ دورِ نبوت میں خود رسول اللہ صلعم کے منشا، اور اسلام کے دینی مقاصد کی تکمیل کیلئے ایک مستقل جماعت اصحاب صفہ کے نام سے قائم ہوئی، جن کی زندگی صوفیہ کرام سے بہت کچھ مشابہت رکھتی ہے یعنی

۱- ان لوگوں نے اپنی زندگی صرف عبادت، تعلیم قرآن وحدیث، اور رسول اللہ صلعم کی تربیت پذیری پر وقف کردی تھی، اسکے علاوہ کسی قسم کا دنیوی مشغلہ مثلاً تجارت وزراعت وغیرہ نہیں رکھتے تھے،

۲- ان بزرگوں کے بال بچے نہ تھے، اور جب شادی کرلیتے تھے، تو اس حلقہ سے نکل جاتے تھے،

۳- نہایت بے سروسامانی کیساتھ زندگی بسر کرتے تھے، ان میں کسی کے پاس چادر اور تہمد دونوں ایک ساتھ جمع نہ ہوسکے، صرف چادر ہی کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے تھے، کہ رانوں تک لٹک آتی تھی، اون کے لئے اپنے پاس روپیہ پیسہ رکھنا جائز نہ تھا،

۴- ان کی معاش کے مختلف ذرائع تھے، کچھ لوگ تو جنگل سے لکڑیاں چن لاتے، اور اس کو فروخت کرکے اپنے بھائیوں کے لئے کھانے پینے کا سامان مہیا کرتے، اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں توڑکر لاتے، اور مسجد کی چھت میں لٹکا دیتے جو کھجوریں ٹپک ٹپک کر گرتیں، یہ لوگ اون کو اٹھا کر کھالیتے، رسول صلعم کے پاس جب کہیں سے صدقہ کا کھانا آتا، تو مستقل اون کے پاس بھیج دیتے، اور جب دعوت کا کھانا آتا، تو ان کو بلالیتے، اور ان کیساتھ بیٹھکر کھاتے، اکثر ایسا ہوتا کہ راتوں کو رسول صلعم ان کو مہاجرین اور انصار پر تقسیم کردیتے، اور اپنے مقدور کے موافق ہر شخص ایک ایک دو دو کو اپنے ساتھ لیجاکر کھانا کھلاتا،

حضرت سعد بن عبادہ رض جو نہایت فیاض اور دولتمند صحابی تھے، وہ کبھی کبھی اسی اسی مہمانون کو اپنے ساتھ لیجاتے، لیکن باایں ہمہ یہ لوگ نہایت عسرت کیساتھ زندگی بسر کرتے تھے، کبھی دو دو دن کھانے کو نہیں ملتا تھا، یہانتک کہ بعض اوقات جب شریک نماز ہوتے، تو بھوک اور ضعف کی وجہ سے عین نماز کی حالت میں گر پڑتے، باہر کے لوگ آتے، اور ان کو دیکھتے، تو سمجھتے کہ دیوانے ہیں،

صوفیہ کرام نے انہی بزرگوں کی ذات کو اپنے لئے اسوۂ حسنہ بنایا ہے، یہانتک کہ لفظ صوفی کی ایک وجہ اشتقاق

بھی صوفہ کے لفظ کو بتایا جاتا ہے لیکن یہ جماعت بہت دنوں تک قائم نہ رہ سکی، بلکہ غالباً خود عہد رسالت ہی میں ٹوٹ گئی

اور خلفاء کے عہد میں تو اس کا نام و نشان بھی نہ تھا،

خلفائے راشدین کے عہد میں مسلمانوں کا سب سے بڑا دینی مشغلہ جہاد تھا، اور اکثر صحابہ اسی مشغلے میں مصروف

رہتے تھے، قدیم زمانے کے صوفیانہ مشاغل کا ایک بڑا جزو سیاحت تھا، اسی بنا پر حضرت عثمان بن مظعونؓ نے رسول اللہ

صلعم سے سیاحت کی اجازت چاہی تھی، لیکن آپ نے ان کو اس کی اجازت نہ دی اور فرمایا کہ "میری امت کی سیاحت

خدا کی راہ میں جہاد، اور حج و عمرہ کرنا ہے"، اور اسوقت تمام امت اسلامیہ اسی قسم کی سیر و سیاحت میں مشغول تھی، عرب

کی سرزمین قدرتی طور پر صوفیانہ زندگی کیلئے موزوں تھی، اور اہل عرب کے بیشتر افراد جنگلوں اور بیابانوں میں زندگی

بسر کرتے تھے، لیکن اسلام چونکہ دنیا میں تمدن و تہذیب قائم کرنے کیلئے آیا تھا، اور اس مقصد کیلئے وسیع شہروں

میں قیام کرنا ضروری تھا، اسلئے رسول اللہ صلعم نے تعرب یعنی صحرا میں رہ کر بدویانہ زندگی بسر کرنے کی ممانعت فرمائی

تھی، البتہ فتنہ و فساد کی حالت میں گوشہ گیری، عزلت گزینی، اور صحرا نشینی کی اجازت دی تھی، اسلئے شیخین کی خلافت

کے بعد جب ملک میں فتنہ و فساد پھیلا، اور خود مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو بہت سے محتاط صحابہ نے اس

قسم کی زندگی اختیار کر لی، چنانچہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت سلمہ بن اکوعؓ مدینہ سے بمقام ربذہ چلے گئے

اور تقریباً چالیس سال تک وہیں مقیم رہے، لیکن چونکہ ہجرت کرنے کے بعد صحرا میں جا کر رہنا اوس زمانہ میں ارتداد کی

علامت سمجھا جاتا تھا، اسلئے حجاج نے اون سے کہا کہ "تم مرتد ہو گئے، کیونکہ تم نے بدویانہ زندگی اختیار کر لی" لیکن انھوں

نے کہا "نہیں مجھکو رسول اللہ صلعم نے اس کی اجازت دیدی تھی" تاہم مدینہ کا قیام بہرحال اس زندگی سے بہتر تھا،

اسلئے وہ وفات سے چند روز پیشتر مدینہ میں آگئے تھے،[۱]

حضرت سعد بن وقاصؓ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے، کہ سب سے پہلے انہی نے خدا کی راہ میں خون بہایا،

اور عمر بھر فوجی زندگی بسر کی، لیکن حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد بالکل خانہ نشین ہو گئے، ان کے بیٹے اور بھتیجے نے

[۱] بخاری کتاب الفتن باب التعرب فی الفتنہ مع فتح الباری،



ان کو آمادہ کیا، کہ خود خلافت کا دعوی کریں، حضرت امیر معاویہؓ نے بھی اپنے ساتھ شریک کرنا چاہا لیکن وہ اپنے گوشۂ

عزلت سے نہ نکلے،[۱]

اسی زمانہ میں حضرت حبیب مصر کی ایک وادی میں گوشہ نشین ہو گئے، اور وہیں وفات پائی، چنانچہ انہی

کے انتساب سے اس کا نام وادی حبیب پڑ گیا،[۲]

حضرت ابن الحنظلیہؓ دنیا سے قطع تعلق کر کے دمشق میں گوشہ نشین ہو گئے تھے، اور شب و روز نماز و تسبیح و تکبیر میں

مصروف رہتے تھے،[۳]

غرض جسقدر زمانہ ممتد ہوتا گیا، اور فتنہ و فساد کی آگ زیادہ بھڑکتی گئی، صحابۂ کرام میں اسی نسبت سے صوفیانہ

مذاق زیادہ پیدا ہوتے گئے، چنانچہ یزید بن معاویہ نے جب ابوالاشعث صنعانی کو حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے مقابلہ

کیلئے بھیجا، تو وہ مدینہ میں ایک صحابی کے پاس گئے، اور اس فتنہ کے متعلق ان کی رائے پوچھی، انھوں نے کہا، کہ

میرے دوست ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ وصیت کی ہے، کہ اگر تمھارے زمانے میں اس قسم کے فتنے پیدا

ہوں، تو احد پر جا کر اپنی تلوار توڑ ڈالو، پھر اپنے گھر میں بیٹھ رہو، اور اگر کوئی تمھارے گھر میں گھس آئے، تو بستر پر لیٹ

جاؤ، اگر بستر کا بھی رُخ کرے، تو گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ، اور کہو کہ اپنے اور میرے دونوں کے گناہوں کا وبال

اپنے سر پر لو، اور دوزخ میں چلے جاؤ، اور ظالموں کی یہی سزا ہے، اس لئے میں نے اپنی تلوار توڑ ڈالی ہے، اور

خانہ نشین ہو گیا ہوں،[۴]

**صوفی اور تصوف،** لیکن باایں‌ہمہ عہد رسالت اور عہد صحابہ میں اصحاب صفہ کے سوا کوئی شخص یا کوئی گروہ کسی

خاص لقب سے پکارا نہیں گیا، اس کے بعد تابعین، اور تبع تابعین کے لقب ایجاد ہوئے، پھر بزرگان دین کو

زاہد و عابد کے لقب سے پکارا گیا، لیکن صوفی یا تصوف کے لفظ سے اب تک لوگ ناآشنا رہے، چنانچہ امام قشیری نے

[۱] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن وقاص، [۲] حسن المحاضرہ جلد اول ص ۱۰۷، [۳] ابوداؤد کتاب اللباس باب ما جاء فی اسبال الازار

[۴] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۲۲۶،

رسالے میں لکھتے ہیں :۔

"رسول اللہ صلعم کے بعد صحابہ کے سوا برگزیدہ مسلمانوں کا اور کوئی لقب نہیں قرار دیا گیا، کیونکہ شرف صحبت سے بڑھکر اور کوئی شرف نہیں ہو سکتا تھا، پھر جن لوگوں نے صحابہ کی صحبت پائی، اون کو تابعین کہا گیا، اونکے بعد لوگ تبع تابعین کے لقب سے پکارے گئے، پھر لوگوں کے درجے مختلف ہوتے گئے، اسلئے جن بزرگوں کی توجہ دین کی طرف زیادہ ہوئی، ان کو زاہد و عابد کے لقب سے پکارا گیا، لیکن جب بدعات کا ظہور ہوا اور مختلف فرقے پیدا ہوگئے، تو ہر فرقے نے یہ دعوی کیا کہ اُن میں زہاد پائے جاتے ہیں، اسلئے خواص اہل سنت تصوف کے نام سے ممتاز ہوئے، اور دوسری صدی سے پہلے ان بزرگوں نے اس نام سے شہرت پائی"[1]

اور سب سے پہلے ابوہاشم صوفی کو جنھوں نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی، یہ لقب ملا، چنانچہ نفحات الانس میں ہے :۔

"اول کسیکہ ویرا صوفی خواندہ اند، وی بود، پیش از وے کسے را باین نام نخواندہ بودند"[2]

لیکن یہ مسلم ہے کہ اسلام میں یہ نوزائیدہ لفظ ہے، اور بعض لوگوں کے نزدیک اہل بغداد اس کے موجد ہیں، یہ ممکن ہو کہ اس لفظ کو کسی خاص عربی مادہ سے مشتق کیا جائے، اور پھر جن لوگوں میں اس مادہ کے اوصاف پائے جائیں، ان کو اسکی طرف منسوب کر دیا جائے، لیکن بڑی مشکل یہ ہے، کہ عربی قواعد کے رو سے اس قسم کی کوئی صحیح وجہ اشتقاق بھی نہیں معلوم ہوتی، چنانچہ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں،

"قشیری رحمہ اللہ کا قول ہے، کہ عربیت اور قیاس کے رو سے اس اسم کی کوئی وجہ اشتقاق معلوم نہیں ہوتی، اور ظاہر ہے کہ یہ ایک لقب ہے، اور جو شخص اسکو صفا، یا صفہ سے مشتق سمجھتا ہو، تو یہ قیاس لغوی کے رو سے بعید ہے، اسی طرح صوف سے بھی مشتق نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ صوفیہ کا مخصوص لباس نہ تھا"

اگرچہ علامہ ابن خلدون کے نزدیک یہ اخیر وجہ اشتقاق اسلئے صحیح ہو سکتی ہو، کہ گو صوفیہ کا مخصوص لباس

[1] رسالۂ قشیریہ ص ۵ مطبوعہ مصر۔ [2] کتاب مذکور تذکرہ ابو ہاشم صوفی،



یعنی اون نہ تھا تاہم وہ اکثر یہی لباس پہنتے تھے[1] لیکن اگر اسکو ایک لقب تسلیم کیا جائے، تو یہ کوئی اسلامی یا عربی زبان کا لفظ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک یونانی لفظ ہے، جس کا مادہ سوف ہے، جس کے معنی یونانی زبان میں حکمت کے ہیں اور دوسری صدی میں جب یونانی کتابوں کا ترجمہ ہوا، تو یہ لفظ عربی زبان میں آیا اور چونکہ حضرات صوفیہ میں اشراقی حکما رکا انداز پایا جاتا تھا اسلئے لوگوں نے ان کو سوفی یعنی حکیم کہنا شروع کیا، رفتہ رفتہ سوفی سے صوفی ہو گیا، یہ تحقیق علامہ ابوریحان بیرونی نے کتاب الہند میں لکھی ہے، اور صاحب کشف الظنون کی عبارت سے بھی اس کا اشارہ نکلتا ہے، چنانچہ تصوف کے عنوان میں لکھتے ہیں :۔

| | |
|---|---|
| واعلم ان الاشراقیئین من الحکما | حکمائے اشراقیہ مشرب اور اصطلاح میں |
| الالھیین کالصوفیین فی المشرب | صوفیہ کے مشابہ تھے،… ……… اور اگر |
| والاصطلاح ………ولا | یہ اصطلاح ان کی اصطلاح سے ماخوذ ہو تو |
| یبعد ان یوخذ ھذا الاصطلاح | کچھ بعید نہیں، |
| من اصطلاحھم، | |

محدث ابن جوزی نے تلبیس ابلیس میں اسکی اور بھی متعدد وجہ تسمیہ بیان کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ

رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں صرف ایمان اور اسلام کی نسبت تھی، اسلئے صرف مومن اور مسلم کا لفظ بولا جاتا تھا، پھر زاہد اور عابد کا لفظ پیدا ہوا، اسکے بعد کچھ لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے زہد و عبادت کا طریقہ اختیار کیا، اُور دنیا سے الگ ہو کر عبادت میں مصروف ہو گئے، اور اس معاملہ میں ایک خاص طریقہ اور خاص اخلاق کی پابندی کی، چونکہ ان کا خیال تھا، کہ خانہ کعبہ کے پاس سب سے پہلے جس شخص نے اپنے آپ کو خدا کی خدمت کیلئے وقف کیا اس کا نام صوفہ تھا، اس لئے ان لوگوں نے اپنے آپ کو اُس کی طرف منسوب کیا، اور صوفیہ کہلائے اس شخص کا اصلی نام غوث بن مر تھا، لیکن اسکو صوفہ اس لئے کہتے تھے، کہ اسکی ماں کی کوئی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی، اس لئے

[1] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۳۹۰،

اوس نے یہ نذر مانی کہ اگر اوس کی کوئی اولاد زندہ رہی، تو اس کے سر پر اون لگا کر اوسکو کعبہ پر وقف کر دیگی، چنانچہ اوس نے ایسا کیا، تو اس کا نام صوفہ پڑ گیا، اور اس کے بعد اوس کی اولاد اسی نام سے مشہور ہوئی، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ لفظ صوفانہ سے مشتق ہے، جو ایک چھوٹی سی گھاس کا نام ہے، اور چونکہ صوفی لوگ صحرا کی گھاس پات کھا کر زندگی بسر کرتے تھے، اسلئے اس گھاس کی طرف منسوب ہوگئے، لیکن یہ غلط ہے، کیونکہ اگر اس لفظ کی طرف نسبت ہوتی، تو اون کو صوفانی کہا جاتا، کچھ لوگ کہتے ہیں، کہ صوفی صوفۃ القفا کی طرف منسوب ہے، یعنی وہ چھوٹے چھوٹے بال جو سر کے پچھلے حصے میں اگتے ہین، جسکے معنی یہ ہوئے کہ صوفی کے ان بالوں کو پکڑ کر خدا کی طرف متوجہ کر دیا گیا، اور مخلوق کی طرف سے اوسکی توجہ پھیر دی گئی، کچھ لوگ کہتے ہیں، کہ یہ لفظ صوف کی طرف منسوب ہے، اور یہ ہوسکتا ہے لیکن صحیح پہلا قول ہے،[1]

**تصوف کی تدریجی ترقیاں،** صوفی کا لقب جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، اگرچہ سب سے پہلے ابو ہاشم کو ملا جنھوں نے ۱۵۰ھ مین وفات پائی لیکن طریقت کی ابتدا، ان سے پہلے حضرت حسن بصری سے جنھوں نے ۱۱۰ھ میں وفات پائی ہو چکی تھی، چنانچہ تذکرۃ الاولیاء میں ہے:-

"و ارادت او بہ علی بودہ است و طریقت ازو گرفت"[2]

حضرت حسن بصریؒ نے اگرچہ کوئی خاص وضع اختیار نہیں کی تھی، تاہم محدث ابن جوزی نے اون کے جو صوفیانہ اقوال صفوۃ الصفوۃ میں نقل کئے ہیں، اونمیں سے ایک قول یہ ہے کہ "جو شخص تواضع سے پشمینہ پہنے گا خدا اوس کی آنکھ اور دل کے نور کو بڑھائے گا، اور جو شخص غرور اور نمایش کیلئے پہنے گا، اوسکو سرکشوں کیساتھ جہنم میں جھونک دیگا،" اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ ان کے زمانے میں زہاد اور عباد کے فرقہ نے پشمینہ پوشی اختیار کر لی تھی، اور غالباً ابو ہاشم کو اسی خصوصیت کی وجہ سے صوفی کا لقب ملا تھا، ہم نے اس لقب کی وجہ تسمیہ میں اگرچہ ایک قول یہ نقل کیا ہے، کہ یہ یونانی لفظ سوف سے مشتق ہے، تاہم اشراقی حکماء کی خصوصیات متاخرین صوفیہ میں پائی جاتی تھیں

[1] تلبیس ابلیس ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، [2] تذکرۃ الاولیاء جلد اول ص ۲۵،



قدماے صوفیہ نے ان حکماء کی روش اختیار نہیں کی تھی، یہی وجہ ہے کہ صاحب کشف الظنون نے جہاں یہ وجہ تسمیہ لکھی ہے، وہاں یہ تصریح بھی کر دی ہے، کہ حکماے اشراقیین کا مشرب خصوصیت کیساتھ متاخرین صوفیہ نے اختیار کیا تھا، اس زمانہ تک اگرچہ چند یونانی کتابوں کا ترجمہ ہو چکا تھا، تاہم یونانی علوم و فنون کا اثر اسلامی لٹریچر پر بہت کم پڑا تھا، اسلئے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ صوفی کا لقب اسلام میں یونان سے نہیں آیا، بلکہ اسی پشمینہ پوشی کی خصوصیت کی وجہ سے پیدا ہوا، بہرحال دوسری صدی میں شام و عراق میں ایک مستقل جماعت صوفیہ کے نام سے قائم ہو گئی، اور شام میں بمقام رملہ ان کے لئے ایک عیسائی رئیس نے ایک خانقاہ بھی بنوا دی، چنانچہ نفحات الانس میں لکھا ہے:-

"نخستین خانقاہے کہ برائے صوفیان بنا کردند آنست کہ برملہ شام کردند"

اور اوس کی وجہ یہ بتائی ہے، کہ ایک دن ایک عیسائی رئیس شکار کو جاتا تھا، راستہ میں صوفیہ میں سے دو شخصوں کو دیکھا کہ دونوں باہم ملے تو ہم آغوش ہوگئے، اور ایک جگہ بیٹھ کر کھانے پینے کا سامان سامنے رکھا، اور کھا پی کر چلتے ہوئے، عیسائی رئیس کو ان کی الفت و محبت کا یہ طریقہ پسند آیا، اور ان میں سے ایک کو بلا کر پوچھا کہ "دوسرا کون تھا؟" اس نے کہا "مجھے معلوم نہیں" پھر پوچھا "تمھارے پاس کیا تھا؟" جواب دیا "کوئی چیز تھی" پھر پوچھا "کہاں سے ملی تھی؟" بولا "معلوم نہیں" پھر کہا "تو یہ باہمی محبت کیونکر پیدا ہوئی؟" بولا "ہمارا یہی طریقہ ہے" پھر کہا "تم لوگوں کیلئے کوئی جگہ ہے، جہاں جمع ہوتے ہو" اس نے کہا "نہیں" پھر کہا "میں تمھارے لئے ایک جگہ بنا دیتا ہوں، جہاں تم لوگ باہم جمع ہو سکو" چنانچہ بمقام رملہ اس نے ایک خانقاہ بنوا دی،[1]

اس کے بعد تصوف نے بتدریج ترقی کی، اور حارث محاسبی المتوفی ۲۴۳ھ نے محاسبہ نفس کا شدت کیساتھ التزام کیا، اور وساوس و خطرات پر کتابیں لکھیں، اسی زمانہ میں حضرت ذوالنون مصری المتوفی ۲۴۵ھ نے علانیہ صوفیانہ حقائق کا اظہار کیا، اور احوال و مقامات ولایت مرتب کئے،[2]

[1] نفحات الانس تذکرہ ابو ہاشم صوفی، [2] تلبیس ابلیس ص ۱۶۱،

چنانچہ نفحات الانس تذکرہ حضرت ذوالنون مصری میں ہے:۔

"پیش از وے مشائخ بودہ اند ولیکن وے پیشین کسے بود، کہ اشارت باعبارت آورد وازین طریق سخن گفت"

پھر سب سے پہلے بغداد میں سری سقطی المتوفی ۲۵۹ھ نے حقائق و توحید کے مسائل بیان کئے، اور اکثر مشائخ عراق ان کے حلقۂ ارادت میں آئے[۱] اسی زمانہ میں حضرت بایزید بسطامی المتوفی ۲۶۱ھ نے اس فن کو بہت زیادہ ترقی دی، اور بہت سے نکات پیدا کئے،

چنانچہ تذکرۃ الاولیاء میں ہے:۔

"پیش از وکس را در معانی طریقت چندان استنباط نبود کہ او را"[۲]

حمدون قصار المتوفی ۲۷۱ھ نے نیشاپور میں طریقۂ ملامتیہ کی اشاعت کی اور ایک مستقل فرقہ پیدا ہوگیا، جو قصاریہ کے لقب سے مشہور ہوا[۳] لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس طریقہ کی حقیقت کیا ہے، ؟ اور جو لوگ اس طریقہ کو اختیار کرتے تھے، انکے اعمال واشغال کیا تھے، ؟ تذکرۃ الاولیاء میں حمدون قصار کے حالات میں صرف اسقدر لکھا ہے،

"وبملامت خلق مبتلا بود، و مذہب ملامتیان در نشاپور از ومنتشر شد"

لیکن اس عبارت سے صاف طور پر یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ وہ خود لوگوں کو ان کے اعمال پر ملامت کرتے تھے، یا لوگ خود ان کے اعمال پر ملامت کیا کرتے تھے، ؟ تاہم حمدون قصار کے زہد و ورع کے جو واقعات تذکروں میں مذکور ہیں، اون سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ اخلاقی حیثیت سے بڑے محتاط بزرگ تھے، چنانچہ ایک بار اون کے ایک دوست کا انتقال ہوا، تو وہ اسکے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے، لیکن انتقال ہونے کے ساتھ ہی انھون نے چراغ بجھا دیا، لوگوں نے کہا کہ ایسی حالت میں تو چراغ میں اور زیادہ تیل ڈالا جاتا ہے، بولے مرتے وقت تک تو تیل اس کا تھا، لیکن مرنے کے بعد وارثوں کا ہوگیا[۴] ایک بار وہ کسی کے یہاں مہمان تھے، میزبان باہر گیا تو کو

[۱] تذکرۃ الاولیاء جلد اول ص ۲۶۵، [۲] تذکرۃ الاولیاء جلد اول ص ۱۳۵، [۳] ص ۳۳۲، [۴] رسالہ قشیریہ ص ۲۱،



کاغذ کے ایک ٹکڑے کی ضرورت ہوئی، گھر والون نے اندر سے ان کے پاس کاغذ کا ایک ٹکڑا پھینک دیا، لیکن انھون نے اسکو یہ کہکر واپس کر دیا، کہ "اس کاغذ کا استعمال جائز نہیں، صاحب خانہ باہر گیا ہوا ہے، اور مجھے یہ معلوم نہیں، کہ وہ زندہ ہے یا نہیں"؟ نفحات الانس میں اس واقعہ کے بعد لکھا ہے، کہ

"شیخ الاسلام گفت کہ ہمہ سیرت وکار ایشان بریں قیاس بود، اکنوں جماعتے اباحت وتہاون شرع و زندقہ وبے ادبی وبے حرمتی پیش گرفتہ اند کہ ملامتت، ملامت نہ آن بود کہ کسے بے حرمتی شریعت کار کند تا او را ملامت کنند، ملامت آن بود کہ در کار حق سبحانہ تعالے از خلق باک ندارد"[۱]

اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ حارث محاسبی کے طریقۂ احتساب نفس کی ایک ترقی یافتہ صورت تھی، اون کے بعد حضرت ابوسعید خراز المتوفی ۲۸۶ھ نے بقا وفنا کا مسئلہ ایجاد کیا، چنانچہ تذکرۃ الاولیاء میں ہے:۔

"وابتدا عبارت از حالت بقاء وفنا او کرد، وطریقت خود را دریں دو عبارت متضمن گردانید"[۲]

لیکن تصوف کی عام اشاعت حضرت جنید بغدادی المتوفی ۲۹۷ھ نے کی، چنانچہ تذکرۃ الاولیاء میں ہے:۔

"واول کسیکہ علم اشارت منتشر کرد او بود"[۳]

پھر نیشاپور میں حضرت ابو علی ثقفی المتوفی ۳۲۸ھ نے تصوف کو پھیلایا، اور اسکے بعد تصوف کا غلغلہ ابوبکر شبلی المتوفی ۳۳۴ھ نے بلند کیا، چنانچہ نفحات الانس تذکرۂ حضرت ذوالنون مصری میں ہے:۔

"وپیش از وے مشائخ بودہ اند ولیکن وے پیشین کسے بود کہ اشارت باعبارت آورد، وازیں طریق سخن گفت وچون جنید پدید آمد در طبقۂ دیگر ایں علم را ترتیب نہاد، وبسط کرد، وکتب ساخت وچون شبلی پدید آمد، این علم را بر سر منبر برد و آشکارا کرد"

[۱] نفحات الانس تذکرۂ حمدون قصار، [۲] تذکرۃ الاولیاء جلد دوم ص ۴۰، [۳] ص ۶،

یہ قدماء صوفیہ کا دور ہے، اور اس دور کی خصوصیات حسب ذیل ہیں :۔

۱۔ **اتباعِ کتاب وسنت**، چنانچہ حضرت سہل بن عبد اللہ التستری المتوفی ۲۸۳ھ کا قول ہے کہ

ہر وجدے کہ کتاب وسنت گواہ آن نبود باطل بود۱؎

"اصولِ ما شش چیز است تمسک بہ کتاب خدائے واقتدا بسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم وحلال خوردن وباز داشتنِ دست از رنجانیدنِ خلق اگرچہ ترا برنجانند ودور بودن از مناہی و تعجیل کردن بگزاردِ حقوق۲؎"

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں :۔

"ایں راہ کسے یابد کہ کتاب خدائے بر دست راست گرفتہ باشد وسنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بردست چپ ودر روشنائی ایں دو شمع مے رود، تا نہ در مغاک شبہت او فتد، نہ در ظلمت بدعت۳؎"

حضرت ابو علی ثقفی کہتے ہیں :۔

"فروع صحیح نخیزد مگر از اصل صحیح، پس ہر کہ خواہد کہ افعال او صحیح بود بر جادہ سنت بود و گو نخست در دل اخلاص درست کن کہ درستی اعمال ظاہر از درستی اعمال باطن خیزد۴؎"

شیخ علی رودباری المتوفی ۳۲۲ھ کہتے ہیں :۔

"صوفی آنست کہ صوف پوشد بصفا، بچشاند نفس را طعم جفا وبنہد از دنیا از پس قفا وسلوک کند بر طریق مصطفےٰ۵؎"

ابو بکر طمستانی جنھوں نے ۳۴۰ھ کے بعد وفات پائی، فرماتے ہیں :۔

الطریق واضح والکتاب والسنة قائم بین اظہرنا۱؎

راستہ کھلا ہوا ہے، اور کتاب وسنت ہمارے سامنے موجود ہیں،



۲۔ **پابندی فرائض**، چنانچہ حضرت ابو یزید بسطامی فرماتے ہیں :۔

لو نظرتم الی رجل اعطی من الکرامات حتی یرتفع فی الھواء فلا تغتروا بہ حتی تنظروا کیف تجدونہ عند الامر والنھی وحفظ الحدود.

اگر تم ایک شخص کو دیکھو کہ اس کو اسقدر کرامات دیگئی ہیں، کہ وہ ہوا میں اڑتا ہے، تو اس سے دھوکا نہ کھاؤ، یہانتک کہ یہ دیکھ لو کہ وہ امر و نہی اور حدود شریعت کی حفاظت میں کیسا ہے؟

ابو بکر شفاف کا قول ہے کہ

من ضیع حدود الامر والنھی فی الظاھر حرم مشاھدۃ القلب فی الباطن.

جس نے ظاہر میں امر و نہی کے حدود کا لحاظ نہیں رکھا، وہ قلب کے مشاہدۂ باطنی سے محروم رہا،

حسین نوری کہتے ہیں :۔

من رایتہ یدعی مع اللہ عزوجل حالۃ تخرجہ عن حد علم الشرع فلا تقربنہ ومن رایتہ یدعی حالۃ لا یدل علیھا دلیل ولا یشھد لھا حفظ ظاھر فاتھمہ علی دینہ۲؎

اگر ایک شخص کو دیکھو کہ خداوند تعالی کیساتھ ایسی حالت کا دعوی کرتا ہے، جو اسکو علم شریعت کی حد سے نکال دیتی ہے، تو اس کے قریب نہ جاؤ، اور اگر ایک شخص کو دیکھو کہ وہ ایک ایسی حالت کا دعوی کرتا ہے، جسکی کوئی دلیل نہیں اور ظاہری احکام کی پابندی اوسکی شہادت نہیں دیتی، تو اُس کے دین پر ح

سری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے،

---

۱؎ تذکرۃ الاولیاء جلد اول صفحہ ۲۶۰، (۲۱)، ۲؎ تذکرۃ الاولیا جلد دوم ص۳، ۳؎ تذکرۃ الاولیا جلد دوم ص۱۶۳ ۴؎ " ص ۲۰۶

۱؎ رسالہ قشیریہ، ص ۴۴، ۲؎ تلبیس ابلیس، ص ۱۷۸، ۱۷۹،

من ادعى باطن حقيقة ينقضها ظاهر حكم فهو غالط. — جس شخص نے ایک ایسی باطنی حقیقت کا دعویٰ کیا، جس کی تردید شریعت کے ظاہری حکم سے ہوتی ہے، اس نے غلطی کی،

اسمٰعیل بن نجید سے تصوف کی حقیقت پوچھی گئی، توانھوں نے کہا،

الصبر تحت الامر والنهي. — امر ونہی پر صبر کرنا تصوف ہے،

ابو عثمان حیری کا قول ہے:۔

اسلم الطريق من الاغترار طريق السلف ولزوم الشريعة — دھوکے سے محفوظ راستہ، سلف اور پابندی شریعت کا راستہ ہے،

حضرت جنید بغدادی روزانہ بازار میں آتے تھے، اور اپنی دوکان کا دروازہ کھول کر پردہ چھوڑ دیتے تھے، اور چار سو رکعتیں پڑھکر گھر واپس جاتے تھے، ان کے مرض الموت میں ایک نوجوان ان کے پاس آیا، اور دیکھا کہ اون کے منہ پر ورم ہے، اور سامنے ایک تکیہ رکھا ہوا ہے، جسکی طرف منہ کرکے وہ نماز پڑھ رہے ہیں، اوس نے کہا کہ "کیا ایسی حالت میں بھی نماز نہیں چھوڑی جاتی"؟ سلام پھیرنے کے بعد اسکو بلا کر کہا کہ "میں اسی کے ذریعہ سے خدا تک پہنچا ہوں، اس لئے اسکو نہیں چھوڑ سکتا،" اس کے چند گھنٹوں کے بعد انھوں نے انتقال کیا، محمد بن ابراہیم کا قول ہے، کہ "میں نے جنید کو خواب میں دیکھا، اور پوچھا کہ خدا نے آپکے ساتھ کیا سلوک کیا؟ بولے "وہ اشارات فنا ہوگئے، وہ عبارتیں غائب ہوگئیں، وہ علوم اور وہ رسوم ختم ہوگئے، صرف صبح کی چند رکعتوں نے ہمکو فائدہ پہنچایا"[۱]

۳- **تبحر فی علم الشریعہ**، قدما صوفیہ کا دور تابعین اور تبع تابعین کا دور تھا، جسمیں شرعی علوم کی گرم بازاری تھی، اس لئے قدما صوفیہ بھی علوم شرعیہ میں تبحر رکھتے تھے، چنانچہ محدث ابن جوزی لکھتے ہیں

۱ مدارج السالکین جلد ۳ ص ۷۴، ۷۵، ۷۶،



وما كان المتقدمون في التصوف الا رؤساء في القرآن والفقه والحديث والتفسير[۱] — قدمائے صوفیہ قرآن، فقہ، حدیث اور تفسیر کے امام تھے،

یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ لوگوں کو علوم شرعیہ کے حاصل کرنے کی ترغیب دیتے تھے، اور اسی لئے کتاب وسنت کا اتباع کرتے تھے[۲]، حضرت جنید بغدادی کہتے ہیں، کہ "ہمارا یہ علم کتاب وسنت کا پابند ہے، جس نے قرآن نہیں پڑھا، اور حدیث نہیں لکھی، اس کے لئے اس علم میں گفتگو کرنا مناسب نہیں،"[۳]

۴- **وجد وسماع سے اجتناب**، قرون ثلاثہ میں وجد وسماع کا رواج نہ تھا، اسکی ابتدا دوسری صدی کے آخر میں ہوئی، لیکن اکابر صوفیہ وجد وسماع کی محفلوں سے ہمیشہ اجتناب کرتے رہے، اور حضرت ابراہیم بن ادہم، فضیل بن عیاض، معروف کرخی، ابو سلیمان دارانی، احمد بن ابی الحواری، اور سری سقطی وغیرہ نے ان مجالس میں شرکت نہیں کی،[۴]

حضرت جنید بغدادیؒ کے زمانے میں اگرچہ سماع کا رواج ہو چکا تھا، تاہم وہ متاخرین صوفیہ کی طرح وجد نہیں کرتے تھے، بلکہ صرف اسکے روحانی اثر سے متاثر ہوتے تھے، چنانچہ ایک بار اون کی صحبت میں ابن مسروق وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے، قوال بھی موجود تھا، اور اس کی قوالی کو سن کر ابن مسروق وغیرہ کھڑے ہوگئے، لیکن حضرت جنید بغدادی سکون واطمینان کے ساتھ بیٹھے رہے، اس پر ایک شخص نے دریافت کیا، کہ "آپ پر سماع کا کوئی اثر نہیں ہوتا؟"

انھوں نے جواب دیا:۔

وترى الجبال تحسبها جامدة وهي تمر مر السحاب.[۵] — تم پہاڑوں کو دیکھتے ہو، اور خیال کرتے ہو کہ وہ ایک جگہ جمع ہوئے ہیں، حالانکہ وہ بادلوں کی طرح گذر رہے ہیں

۱ تلبیس ابلیس ص ۲۴۵، ۲ ص ۲۴۳، ۳ رسالہ ابن تیمیہ فی السماع والرقص ص ۲۹۵
۴ رسالہ سماع ورقص، لابن تیمیہ، ص ۲۸۰، ۵ رسالہ قشیریہ ص ۴۰،

ابو الوفا بن عقیل رقص و وجد کی برائی بیان کر کے لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے زمانہ میں ایسے مشائخ دیکھے ہیں کہ مسکرانے میں بھی ان کا دانت نمایاں نہیں ہوا، ہنسنا تو بڑی بات ہے، حالانکہ میں ہمیشہ ان کی صحبت میں رہا، شیخ ابو القاسم بن زیدان، عبد الملک بن بشران، ابو طاہر بن علاف، جنید اور دینوری[1] اس کے ساتھ متاخرین صوفیہ کے دور میں جس قسم کے عاشقانہ اشعار کے گانے کا رواج ہوا، حضرت جنید بغدادی کے زمانے میں ان کا رواج نہ تھا، چنانچہ محدث ابن جوزی نے حضرت جنید بغدادی سے پہلے ایک روایت یہ نقل کی ہے، کہ اس گروہ صوفیہ پر تین مقامات میں رحمت نازل ہوتی ہے، ایک تو کھانے کے وقت کیونکہ یہ لوگ فاقے کے بعد کھاتے ہیں، دوسرے مذاکرہ کے وقت کیونکہ یہ لوگ انبیا و صدیقین کے مقامات کی طرف قدم بڑھاتے ہیں، تیسرے سماع کے وقت کیونکہ یہ لوگ وجد کیساتھ سنتے ہیں، اور حق کو دیکھتے ہیں، اسکے بعد لکھا ہے، کہ اگر یہ روایت صحیح ہو، تو اسکو زاہدانہ قصائد کے سماع پر محمول کیا جائے گا، اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ سعدی و لیلی کے وصف بیان کرنے پر رحمت نازل ہوگی، کیونکہ جس قسم کے اشعار اس زمانے میں گائے جاتے ہیں، جنید کے زمانے میں نہیں گائے جاتے تھے، لیکن متاخرین نے ہر قسم کے اشعار پر جنید کے کلام کو محمول کر لیا[2]، اس قسم کے سماع کی اجازت بھی صرف منتہیوں کو تھی، قدما صوفیہ مبتدیوں کو اس کی اجازت نہیں دیتے تھے، حضرت جنید بغدادی کا قول ہے کہ جب تم یہ دیکھو کہ مرید سماع میں مشغول ہے، تو یہ یقین کر لو کہ اس میں لہو و لعب کا کچھ حصہ باقی رہ گیا ہے[3]، حسین نوری اپنے بعض اصحاب سے کہتے تھے، کہ جب تم مرید کو دیکھو کہ وہ قصائد سن رہا ہے، اور رفاہیت کی طرف مائل ہے تو اس سے بھلائی کی توقع نہ رکھو[4]۔

۷- **وضع و رسوم کی عدم پابندی**، اگرچہ ابتدا ہی سے صوفیہ کی ایک خاص وضع قائم ہو گئی تھی لیکن ابتدا میں اسکو بہت زیادہ اہمیت حاصل نہ تھی، قدما میں ابو حاتم عطار بہت بڑے بزرگ ہیں، اور ان کی نسبت صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں:-

[1] تلبیس ابلیس ص ۲۰۰، [2] ص ۲۰۶، [3] ص ۲۶۳،



"اول کسیکہ از علوم اشارات سخن گفت وے بود"

لیکن وہ معمولی لباس پہنتے تھے، چنانچہ نفحات الانس میں ہے:-

| | |
|---|---|
| کان ابو حاتم العطار ظاہرہ | ابو عطار حاتم کی ظاہری حالت تاجروں |
| ظاہر التجار و باطنہ باطن الابرار | کی تھی، لیکن اون کا باطن ابرار کا تھا، |

صوفیہ کی ظاہری وضع و لباس کو وہ جس بے اعتنائی کے ساتھ دیکھتے تھے، اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب وہ کسی گدڑی پوش صوفی کو دیکھتے تھے، تو کہتے تھے،

| | |
|---|---|
| یا سادتی قد نشرتم اعلامکم | اے سادات تم نے اپنی جھنڈیاں |
| وضربتم طبولکم فیا | پھیلائیں، اور طبل بجائے، کاش میں یہ |
| لیت شعری فی اللقاء ای | جانتا، کہ تم لوگ لڑائی کے وقت کس قسم |
| رجال تکونون۔ | کے مرد ثابت ہوتے ہو، |

تصوف کی عام اشاعت حضرت جنید بغدادیؒ سے ہوئی، لیکن ان کے حالات میں ہے:-

"جنید جامہ برسم علما پوشیدے اصحاب گفتند اے پیر طریقت چہ باشد اگر برائے خاطر اصحاب مرقع درپوشی گفت اگر بدانمے کہ بمرقع کارے برآمدے از آہن و آتش لباس سازمے و درپوشمے و لکن ہر ساعت در باطن ما ندا می کنند کہ لیس الاعتبار بالخرقۃ انما الاعتبار بالحرقۃ[1]"

ان تمام خصوصیات کی بنا پر قدما صوفیہ پر محدثین کو بھی کوئی اعتراض نہ تھا، بلکہ یہ لوگ بھی ان کو افضل الناس سمجھتے تھے، چنانچہ علامہ ابن قیم مدارج السالکین میں لکھتے ہیں:-

| | |
|---|---|
| یقال فی الدنیا ثلاثۃ لا رابع | کہا جاتا ہے کہ دنیا میں صرف تین |
| لھم:- | شخص ہیں، |

[1] تذکرۃ الاولیاء جلد دوم ص ۱۰،

| | |
|---|---|
| ابو عثمان النیشاپوری والجنید | کوئی چوتھا شخص ان کا ہمسر نہیں، ابو عثمان |
| ببغداد و ابو عبد اللہ بن الجلاً | نیشاپوری، جنید بغداد میں، اور ابو عبد اللہ |
| بالشام۔ | بن الجلا، شام میں، |

اس کے بعد لکھا ہے کہ ابو عثمان کا کلام تصوف و معرفت میں بہت بلند تھا، اور وہ اتباع سنت کی رعایت نہایت سختی کے ساتھ کرتے تھے، جب اون کے انتقال کا وقت آیا، تو ان کے لڑکے نے اپنی قمیص پھاڑ ڈالی، انھوں نے حالتِ نزع میں آنکھیں کھولیں، اور کہا کہ صاحبزادے ظاہر میں جو چیز خلافِ سنت ہے، وہ باطن میں بھی ریا کی علامت ہے[1]،

(باقی)

## تاریخ سلطنت خداداد میسور

اگر آپ مسلمانانِ جنوبی ہند اور سلطان حیدر علی اور ٹیپو شہیدؒ کے ولولہ انگیز مجاہدانہ کارناموں سے ناواقف ہیں، اور یہ دیکھنا چاہتے ہیں، کہ ہندوستان میں مسلمانوں پر کس طرح زوال آیا تو تاریخ سلطنت خداداد کا ضرور مطالعہ فرمائیے، اس سے آپ کو معلوم ہوگا، کہ انگریزوں کی بنیاد اس ملک میں کس طرح قائم ہوئی، دیدہ زیب کتابت و طباعت، فوٹو بلاک کے چودہ نایاب تصاویر، کاغذ نہایت اعلیٰ، حجم قریبًا پانچسو صفحہ،

اصلی قیمت چار روپئے، رعایتی تین روپیہ، علاوہ محصول ڈاک،

اس کتاب پر ہندوستان کے تمام معزز اخبارات، رسائل، مورخین و مشاہیر نے شاندار تبصرے کئے ہیں اگر آپ ان تبصرات کو دیکھنا چاہتے ہیں، تو تبصرات کا مجموعہ مفت طلب فرمائیے،

**محمد سراج الدین کنمنس روڈ بنگلور،**

[1] مدارج السالکین جلد دوم صفحہ ۲۲۷،



# رسول صلعم

## (قرآن کی روشنی مین)

(۲)

از

چودھری غلام احمد صاحب پرویز نئی دہلی

تیسرا اعتراض ان کا یہ ہوتا ہے کہ قرآن چونکہ فی ذاتہ تبیانًا لِکُلِّ شیٔ ہے، اسلئے اس کی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں،

سب سے پہلے تو اون کا اپنا طرزِ عمل اون کے اس دعوی کے منافی ہے یعنی جس کتاب کو وہ مفصل مبین و تبیان سمجھتے ہیں، خود اسکی تفسیریں لکھ رہے ہیں، کہا جا سکتا ہے کہ وہ قرآن کے ایک مقام کی تفسیر دوسرے مقام سے کرتے ہیں، لیکن اگر ان کی تفاسیر کو بغور دیکھا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ ایک مقام اور دوسرے مقام کے درمیان جو خلیج رہ جاتی ہے، اسے پُر کرنے کیلئے وہ اپنے ذہن و اجتہاد سے کام لیتے ہیں، یعنی ربطِ مضامین اور استنباطِ نتائج میں قرآنی آیات کو اپنی سمجھ اور فہم کے مطابق چلاتے ہیں، یہی وجہ ہے، کہ باوجود دیکھیے ان کی نئی جماعت کا وجود ہی اس دعوی پر مبنی تھا کہ مسلمانوں میں قرآن کے باہر کی تعلیم سے جو اختلافات پیدا ہوگئے ہیں، انھیں مٹانے کیلئے رجعتہ الی القرآن ضروری ہے، لیکن ہوا یہ ہے، کہ ابھی ان کی پیدائش کو چند روز بھی نہیں ہوئے اور وہی جماعت کئی چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں تقسیم ہو گئی ہے، ہر جماعت بین و مفصل قرآن کو کھینچ تان کر اپنے مزعومات پر منطبق کرنے کی کوشش کرتی ہے

یہ تو رہا عملی ثبوت اب نظری حیثیت سے دیکھئے تو اصول و قانون کی کوئی کتاب خواہ وہ کس قدر مفصل و مبین کیوں نہ ہو، اسکے اوامر و نواہی پر عمل پیرا ہونے اور اوس کے حقائق و رموز کی علت و غایت معلوم کرنے کیلئے اسکی تفصیل و تبیین کی ضرورت لابد ہوتی ہے اسی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن کریم میں ارشاد ہے:-

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراهيم، رکوع-۱)

اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا، مگر اوس کی قوم کی زبان میں، تاکہ وہ اون سے (احکام الٰہیہ) بیان کریں،

رسول کو اسکی قوم کا ہم زبان بھیجنا اس پر دلالت کرتا ہے، (اور خود قرآن نے اسکی وضاحت کر دی ہے) کہ رسول کا فریضہ تبیین احکام بھی ہے، ورنہ اگر مقصود محض پیغام پہنچانا ہی ہوتا، تو اللہ تعالیٰ کے لیے یہ ممکن تھا، کہ ایک عجمی شخص پر عربی میں قرآن نازل کر دیتا، اور اس طرح قرآن کو عربوں تک پہنچا دیتا، اس شکل میں صدر آیت میں رسول کی جگہ رسالت یا کتاب کا لفظ ہونا چاہئے تھا، یعنی جس قوم پر کوئی کتاب یا پیغام بھیجتے ہیں وہ اسی کی زبان میں بھیجتے ہیں نہ کہا کرتے ہیں، کہ قرآن میں جہاں نبی اکرم کو تبیان کا حکم دیا گیا ہے، وہاں تبیان متقابلہ کتمان "ظاہر کر دینے" کے معنی میں ہے، یعنی "اے رسول جو تم پر نازل کیا گیا ہے، اسے چھپا کر نہ رکھو، بلکہ ظاہر کر دے، لِیُبَیِّنَ کے ان معانی کو مذکورہ صدر آیت میں رکھکر دیکھئے، مطلب کسقدر مہمل ہو جاتا ہے،

سورۂ النحل آیت نمبر ۴۴ میں ہے:-

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (نحل)

ہمنے تمہاری طرف ذکر (قرآن) کو اتارا ہے تاکہ جو کچھ لوگوں پر نازل کیا گیا ہو، اُسے آپ بیان کردیں تاکہ وہ ان میں فکر کیا کریں،

۵ معارف:- یہ بیان سیرۃ النبی جلد چہارم میں ص ۱۲۶ سے ص ۱۳۸ تک ہے،



اس آیت میں ایک فرد واحد (الیک) کی طرف تنزیل قرآن کا مقصد یہ بتایا گیا ہے، (لِ تبیّن، تاکہ کر) جو پیغام اللہ نے لوگوں کی طرف بھیجا ہے، اسکی تبیین کر دے، اس پر یہ اعتراض وارد کیا جاتا ہے، کہ اگر رسول نے اس پیغام کی تبیین کر دی، تو لوگوں کو جو یہ حکم دیا گیا ہے، کہ وہ خود غور و فکر کریں، ان کیلئے غور و فکر کیلئے کونسی چیز باقی رہ جائے گی، گذارش ہے کہ قرآن نے اپنے آپ کو بار بار مفصل، مبین، تبیان لکل شئی کہا ہے، اپنی آیات کو مبینت قرار دیا ہے، لیکن بایں ہمہ تفصیل و تبیین بار بار حکم دیا گیا ہے، کہ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ لَعَلَّهُمْ يَتَدَبَّرُوْنَ، كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ. (یونس-۲۴) اگر قرآن باوجود مبین و مفصل ہونے کے بھی اس قابل رہتا ہے، کہ اسمیں تدبر و تفکر کی گنجائش باقی رہ جائے، تو یقیناً رسول کی تبیین کے بعد انسانی عقل و فکر پر پہرے نہیں لگ جاتے، لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ کے لئے تبیین رسول مانع نہیں ہو سکتی، بلکہ بصیرت و شعور کی سینکڑوں اور راہیں کھل جاتی ہیں،

محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

یہیں سے منصبِ رسول کی تمام راہیں روشن و منور ہو جاتی ہیں یہی وہ مقام ہے جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا

وہی ہے جس نے عرب کی ناخواندہ قوم میں

۵ اسلامی تدبر و اجتہاد سے مقصد یہ ہے، کہ جن رموز و معارف کا قرآن نے اشارۃً اور اجمالاً ذکر کیا ہے، دنیوی علوم و فنون اور ذاتی تحقیق و تدقیق سے ان کی کنہ و حقیقت دریافت کی جائے، مثلاً سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ قرآن کا اشارہ تھا، اسی کے آثار قدیمہ اس اشارہ میں تدبر کا نتیجہ، اسی طرح احکام قرآنی میں تدبر کے یہ معنی ہیں، کہ اس بات پر غور کیا جائے، کہ وہ کن مصالح پر مبنی ہیں، اور اس طرح انھیں دنیا کی بہترین تعلیم ثابت کیا جائے، مثلاً الصلوٰۃ کی غرض و غایت کا قرآن میں اجمالاً ذکر ہے، تدبر فی القرآن کو ثابت کیا جائے کہ تخلیق انسانی کے مقاصد کے حصول کیلئے اس سے بہتر کوئی اور ذریعہ ہو ہی نہیں سکتا، اسی الصلوٰۃ کی تشکیل رسول اللہ صلعم نے فرما دی، اس بارے میں تدبر سے مراد یہ ہوگی، کہ ثابت کیا جائے کہ ان مقاصد کے حصول کیلئے اس سے بہتر عملی شکل کوئی پیدا نہیں ہو سکتی، "پرویز"

مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ — اونہی میں سے ایک پیغمبر بھی بھیجا جو ان کو اللہ کی
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ — آیات پڑھکر سناتا ہے، ان کو پاک کرتا ہے اور ان
(الجمعہ) — کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے،

اس آیت میں رسول اکرم کے منصب رسالت میں تین تین اور مستقل چیزیں بیان کی گئی ہیں، (۱) تلاوت آیات (۲) تزکیہ نفوس اور (۳) تعلیم کتاب و حکمت،

اگر لیبین (تاکہ وہ ظاہر کردے) میں تبیین سے مراد وحی الٰہی کو لوگوں پر محض ظاہر کردینا ہی ہے اگر ما علی الرسول الا البلاغ میں بلاغ کے معنی پہنچا دینا (یعنی وضاحت نہ کرنا، بلکہ محض پہنچا دینا) ہی ہیں، تو ظاہر ہے کہ اتنا کام منصب نمبر ا (یعنی تلاوت آیات) میں پورا ہوگیا، جب رسول نے خدا کی آیات پڑھکر لوگوں کو سنا دیں، تو ما نُزِّلَ عَلَيْهِمْ (جو کچھ ان کی طرف بھیجا گیا ہے،) کا اظہار (بقول معترضین تبیین) ہوگیا، تو اس کے بعد جو ابھی دو شقیں اور باقی ہیں، اُن سے کیا مطلب ہے، شق نمبر ۲ کو سردست الگ رہنے دیجئے، لیکن شق نمبر ۳ میں تعلیم کتاب و حکمت تو تلاوت سے علیحدہ چیز ہے، کتاب و حکمت کے واؤ عطف کی بحث میں بھی نہ الجھئے، کہ یہ تفسیری ہے یا فصلی، بہرکیف تلاوت آیات اور تعلیم کتاب دو جداگانہ اور مستقل عنوان ہیں، اظہار و ابلاغ تو تلاوت میں آگیا، اس تعلیم کیلئے کیا باقی رہ گیا، یہ ہے وہ منصب عظمیٰ جس کو نظرانداز کردینے سے یہ تمام گتھیاں پیچیدہ تر ہوتی چلی گئی ہیں، ذرا بھی تدبر سے کام لیا جاتا، تو یہ حقیقت کھل جاتی، کہ اظہار و تبیین میں وہی فرق ہے، جو تلاوت و تعلیم میں ہے، اور یہی تعلیم و تبیین کی ہی ضرورت تھی، جس کی وجہ سے رسول انسان بھیجے گئے، اور پھر وہ زبان بھی وہی بولتے تھے، جو ان لوگوں کی تھی، جنہیں وہ مبعوث ہوئے تھے، کفار کا یہی اعتراض تھا، کہ رسول کوئی فرشتہ کیوں نہیں بنایا گیا، جواب ملا،

قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ — کہدیجئے کہ اگر زمین میں فرشتے رہتے ہوتے، اور
مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ — امیں چلتے بستے تو البتہ ہم ان پر آسمان سے فرشتے
مَلَكًا رَسُولًا (بنی اسرائیل - ۱۱) — کو رسول بناکر بھیجتے،



ورنہ اگر غور و فکر اور ہدایت و نجات کے لئے کتاب کی آیات ہی کافی ہوتیں، تو کتاب کسی پہاڑ کی چوٹی پر رکھ دی جاتی، عوام کے دلوں میں القا کردی جاتی، (جیسا کہ وہ اکثر اعتراض بھی کرتے تھے، کہ ہم پر وحی کیوں نہیں بھیجی جاتی) لیکن اس علیم و حکیم کو خوب علم تھا، کہ تعلیم بلا عمل اور کتاب بلا رسول ناقص رہ جاتی ہے، یہی ضرورت تھی، جس کے پورا کرنے کیلئے فرمایا کہ،

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ — تمہارے لیئے رسول خدا (کی زندگی) میں
حَسَنَةٌ [1] — عمدہ نمونہ ہے،

اور اس نمونہ کی ضرورت یوں بیان فرمائی،

لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ — (یہ نمونہ) ایسے شخص کے لیے ہے، جو خدا (کی ملاقات)
وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا. — اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے، اور خدا
(الاحزاب، ع ۳) — سے بہت ڈرتا ہو،

یہ آیت آپ اپنی تفسیر ہے، یعنی ایک شخص خدا سے بہت ڈرتا ہے، اور اوسے یقین ہے کہ جو کچھ اس دنیا میں کیا جاتا ہے ایک دن خدا کے حضور پہنچکر اس کی جواب دہی ضرور ہوگی، اب جس شخص کا یہ ایمان و ایقان ہو لامحالہ وہ یہی چاہتا ہے، کہ اوسے

[1] قرآن کریم میں صرف دو ہستیوں کے اسوۂ مقدسہ کو مسلمانوں کے لئے بطور نمونہ کے پیش کیا گیا ہے، ایک تو خود نبی اکرمؐ اور دوسرے حضرت ابراہیم (اور ان کے ساتھی۔ والذین معہ ممتحنہ۔ ع ۱) ظاہر ہے کہ صحف ابراہیمی مسلمانوں کے پاس موجود نہیں، سو اگر اسوہ کا مقصد کتاب کی تعلیم ہی ہوتا، تو اسوۂ ابراہیمی آج کہاں سے لیا جاتا، لیکن قرآن کریم نے صحف ابراہیمی کے الفاظ کو کہیں نہیں دہرایا، بلکہ ان کے ان اعمال حیات کا بہ وضاحت ذکر کیا ہے، جن کی بنا پر وہ امت مسلمہ کے امام اور ملت حنیفا کے قائد اعظم قرار دیئے گئے تھے، سو اس سے ظاہر ہے، کہ کتاب کے حروف اسوہ نہیں بن سکتے، بلکہ نقوش قدم ہی اسوہ ہو سکتے ہیں، اور یہی وہ نقوش ہیں، جو اپنی آغوش میں رموز و اسرار کی ہزار داستانیں نہاں رکھتے ہیں، و للہ در ما قال، سے شعر:-

جہاں کا ہو قصد آپ جائیں، مگر نہ انکو مٹاتے جائیں
کہ صاحبان جنوں کو باتیں ہزار یہ نقش پا کریں گے

معلوم ہوجائے کہ وہ کونسی شاہراہ حقیقت ہے جس پر گامزن ہوکر وہ اس منزل مقصود کو پالے گا، اور ادھر ادھر ضالین ومغضوب (ذلیل وخوار) نہیں ہوتا پھریگا، اس کے لئے فرمایا کہ تردد کی کیا ضرورت ہے رسول کی زندگی کا نمونہ سامنے ہے، اس ہادیٔ صراطِ مستقیم کے نقوشِ قدم موجود ہیں، بلاخوف وخطر ان نشانوں پر چلتے جاؤ، کسی قسم کا خوف وخطرہ نہ ہوگا۔

وانّ هٰذا صراطی مستقیماً فاتّبعوه — اور یہ ہے میری راہ جو مستقیم ہے، سو اس راہ پر چلو

ولا تتّبعوا السُّبُل فتفرّق بکم عن — اور دوسری راہوں پر مت چلو، کہ وہ راہیں تمکو اللہ

سبیله۔ (الانعام ۱۵۴) — کی راہ سے الگ کردیں گی،

منصبِ رسالت میں آخری اور سب سے اہم شق اطاعتِ رسول ہے، معترضین جو رسول کی حیثیت ایک نامہ بر سے زیادہ نہیں سمجھتے، بھلا رسول کو مطاع کس طرح سے تسلیم کرسکتے تھے، لیکن مشکل یہ تھی کہ قرآن کریم میں اطاعت رسول کا حکم اس تکرار واعادہ اور شدت واصرار سے آیا ہے، کہ انھیں اسکی تاویلات میں بڑی بڑی الجھنیں پیش آئی ہیں، چنانچہ طول وطویل بحث وتمحیص کے بعد انھوں نے دو نتائج اخذ کئے ہیں، ایک تو یہ کہ اطیعوا الرّسول سے مقصد فی الحقیقت اطیعوا اللہ ہی ہے، اور دوسرے یہ کہ رسول کی اطاعت بحیثیت امیر قوم فرض کی گئی تھی، آئیے ان نتائج کا موازنہ بھی قرآن کی روشنی میں کریں،

ہمیں شبہ نہیں کہ دنیا میں کتب سماوی اور حضرات انبیائے کرام کی تشریف آوری کا سلسلہ اس غرض و غایت کیلئے ہے، کہ دنیا میں انسان خدا کا فرمانبردار بن کر رہے، گویا انسانی زندگی کا مقصود بالذات اطاعت خداوندی ہے لیکن چونکہ خدا ہر ایک کے سامنے نہیں آتا، نہ ہر ایک سے کلام کرتا ہے، اسلئے انسانوں کو پتہ کیسے چلے کہ کس کام میں اسکی اطاعت ہے اور کس میں معصیت، اسکے لئے اوس نے اپنے پیغامات علی التواتر دنیا میں بھیجے، اور ان پر کاربند ہونے کا حکم فرمایا، تو گویا ان کتابوں پر عمل پیرا ہونا درحقیقت اطاعت خدا ہی تھا، لیکن جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے کتاب بلا تعمیل یہ واضح نہیں کرسکتی تھی، کہ اس کے احکام پر کس شکل اور کس نوعیت سے عمل پیرا ہونا چاہئے، اسکے لئے



انسانوں میں سے رسول منتخب کئے گئے، تاکہ وہ ان احکام پر خود عمل پیرا ہوکر دوسروں کیلئے ایک اسوہ قائم کریں، لہذا حکم دیا گیا کہ رسول کی اطاعت کرو، مقصود آخری یا منتہی اگرچہ اطاعت خدا ہی تھا، لیکن بجائے اسکے کہ اس اطاعت کی شکل ہر ایک کی اپنی مرضی یا زیادہ سے زیادہ فہم وادراک پر چھوڑا جاتا، حکم دیدیا کہ اپنی رائے کو دخل نہ دو، بلکہ جس طرح سے رسول کرکے دکھاتا ہے، یا کرنے کا حکم دیتا ہے، اسکے مطابق کرتے جاؤ، یہی اطاعتِ خدا ہوجائے گی،

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللہ — جس نے رسول کا حکم مانا، اس نے گویا خدا کی

(۴-۸۰) — اطاعت کی،

چنانچہ انبیائے سابقہ کے حالات سے پتہ چلتا ہے، کہ انھوں نے بھی اپنی اپنی قوم کو خدا کی اطاعت کا جو سبق دیا، تو انہی الفاظ میں کہ ہماری یعنی خدا کے رسولوں کی اطاعت کرو، سورۂ الشعراء میں سب سے پہلے حضرت نوحؑ سے یہ الفاظ مذکور ہیں،

فَاتَّقُوا اللہَ وَاَطِیْعُوْنِ، — اللہ سے ڈرو، اور میری تابعداری کرو،

بعینہٖ یہی الفاظ حضرت ہودؑ حضرت صالحؑ حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کی زبان سے اسی جگہ مذکور ہیں، چنانچہ اسی حقیقتِ عظمیٰ کو قرآن نے اجتماعی طور پر، بطور حصر ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے،

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ — ہم نے ہر ایک رسول کو اسلئے بھیجا کہ خدا کے حکم

بِاِذْنِ اللہ، (النساء - ۶۴) — سے اسکی اطاعت کیجائے،

گویا رسول کی اطاعت خدا کے حکم سے ہے، لیکن اطاعت اوس کی ضرور ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہیں یہ حکم دیا ہے، کہ

اتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ، — اوس کی پیروی کرو، جو تمہارے رب کی

(اعراف ۱۰۸) — طرف سے اتارا گیا ہے،

اور کہیں نجات وسعادت کو اتباع رسول عربی کے ساتھ مشروط کردیا گیا ہے، چنانچہ حضرت موسیٰؑ کی دعا

کے جواب میں فرمایا کہ تمھاری قوم میں سے ہماری رحمت ان کے ساتھ ہوگی،

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ، (الاعراف ۱۵۰)

جو اتباع کریں گے اس رسول و نبی امی کا جس کا ذکر یہ لوگ اپنے ہاں تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں،

تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ (نعوذ باللہ) ان احکام میں تضاد ہے کہ کہیں قرآن کے اتباع کا حکم ہے، اور کہیں رسول کے اتباع کا، بلکہ اصل یہ ہے کہ رسول کا اتباع ہی قرآن کا اتباع ہے، کیونکہ رسول کو خود حکم دیا گیا ہے، کہ

اِتَّبِعْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ

جو تمھارے رب کی طرف سے تم پر وحی کیجاتی ہو اسکا اتباع کرو،

لہٰذا ان احکام کی موجودگی میں اب یہ کسی کی اپنی مرضی و منشا کے ماتحت نہ رہا، کہ جس طرح جی چاہے، قرآن کا اتباع کرے، بلکہ قرآن کا اتباع ہو ہی اس شکل میں سکتا ہے، جس شکل میں رسول نے کیا یا کرنے کا حکم دیا،

اعتراض کیا جاتا ہے کہ اطاعت چونکہ صرف خدا کی کرنی چاہیے، اس لئے اگر اس اطاعت میں رسول کو بھی شریک کر لیا گیا، تو توحید باری تعالیٰ کے منافی ہوگا، سو اس کا جواب بھی اوپر آچکا ہو، کہ رسول کی اطاعت اسلئے نہیں کہ اس نے اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے، بلکہ اسکے لئے تو قرآن میں صاف حکم موجود ہے، کہ

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ
الْكِتٰبَ . . . . . . . . . . .
. . . . . . . . . . . .
. . . . . . . . . كُوْنُوْا
رَبّٰنِیّٖنَ ۔ (آل عمران ع ۸)

کسی بشر سے یہ بات نہیں ہو سکتی، کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب و حکمت اور نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، ولیکن (وہ تو یہی) کہے گا، کہ تم اللہ والے بنجاؤ،

یہ اطاعت اسلئے نہیں کہ ایسا کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے، (النساء ۔ ۷۴) چونکہ اس تعمیل اور نمونہ کے بغیر خدا کی



اطاعت ممکن نہ تھی، اس لئے جہاں قرآن کریم میں اطیعوا اللہ آیا ہے، اس کے ساتھ ہی اطیعوا الرسول بھی آیا ہے، کہیں ایک جگہ بھی اکیلا اطیعوا اللہ نہیں آیا، اور چونکہ اطیعوا الرسول میں اطاعت خداوندی خود بخود آجاتی ہے، اسلئے خالی اطیعوا الرسول قرآن میں بعض جگہ آیا ہو، مثلاً:۔

وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (نور ۔ ۵۶) رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے،

اور جہاں جہاں اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول آیا ہے، وہاں درحقیقت اطیعوا اللہ سے مراد اطاعت رسول ہی ہے، چنانچہ:۔

۱۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ، (۸ :۔ ۲۰)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور اس کے رسول کی، اور (رسول سے) روگردانی نہ کرو، درانحالیکہ تم سن رہے ہو،

۲۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ، (۸ : ۲۴)

اے ایمان والو! جب اللہ اور اس کا رسول تمھیں ایسے کام کیلئے بلائے، جو تمھارے لئے حیات بخش ہو تو فوراً حاضر ہو جایا کرو،

اسی طرح سورۂ نور میں:۔

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَیْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا.

کہدے کہ اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر تم روگردانی کروگے، تو سمجھ رکھو کہ رسول کے ذمہ اس کا بار ہے، اور تمھارے ذمہ تمھارا بار، پس اگر تم نے اسکی اطاعت کر لی تو راہ پر لگ جاؤگے،

آیت نمبر ۱ میں عنہ کی ضمیر واحد غائب نمبر ۲ میں دَعَاكُمْ اور نمبر ۳ میں تُطِیْعُوْهُ کے اضمار واحد ذکر کا

مرجع رسول ہو، عیاں ہو کہ رسول کی اتباع کا حکم ہے، اوسکی آواز پر حاضر ہونیکی تاکید ہے، اور اوس سے روگردانی سے منع کیا گیا ہے، پس اطاعتِ رسول عین اطاعتِ خدا ہے، مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔

معترضین کہتے ہیں کہ رسول چونکہ ابلاغ پیغام کا ایک ذریعہ ہے، اس لئے ذریعہ کی پیروی کیا معنی، جہاں جہاں اس کا حکم ہے، دراصل مقصود اطیعوا اللہ ہی سے ہو (یعنی قرآن کا اتباع) اطیعوا الرسول یونہی کہدیا گیا ہے، اول تو ان سے پوچھئے کہ قرآن کیا شاعری ہو کہ اسمیں زیب داستان کیلئے قافیہ پیمائی کی گئی ہے، دوسرے یہ قرآن کے انسانوں تک پہنچنے میں رسول ہی ایک ذریعہ نہیں ہے، ایک اور بھی ذریعہ ہے، یعنی جبرئیل، قرآن نے ان کو بھی رسول کے لفظ سے پکارا ہے، اگر رسول کی پیروی سے مقصد خدا کی پیروی (بذریعہ کتاب و بمطابق اجتہاد خویش) ہی ہوتی، تو کہیں جبرئیل کی پیروی کا بھی حکم دیدیا ہوتا، یہ کیا معنی کہ دو واسطوں میں سے ایک واسطہ تو اتنا اہم کہ اسکی اتباع اپنی اتباع کے ساتھ ساتھ رکھی، اور دوسرا واسطہ ایسا کہ کہیں اطاعت کا ذکر نہیں[1]، سو اس سے بھی ظاہر ہے کہ جبرئیل کے رسول (قاصد) ہونے اور محمد کے قاصد ہونے میں نمایاں فرق ہے، اور یہ وہی فرق ہے جس کیلئے پہلے کہا جاچکا ہو، کہ فرشتوں کو کیوں رسول بناکر زمین میں نہیں بھیجا گیا

سب سے بڑا اعتراض یہ کیا کرتے ہیں کہ رسول کی جو اطاعت فرض قرار دی گئی ہے، وہ درحقیقت امیرِ قوم کی حیثیت سے ہے، نہ کہ رسول کی حیثیت سے، قرآن کریم نے اس پوزیشن کو بھی ایسا صاف کیا ہے کہ تھوڑے سے تدبر سے تمام اشکال حل ہو سکتی تھیں، ارشاد ہے،

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ
اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ، فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ
فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَاِلَی
الرَّسُوْلِ۔ (النساء ۸)

اطاعت کرو اللہ کی، اور اطاعت کرو رسول
کی، اور جو صاحبِ امر تم میں سے ہوں، اگر
کسی معاملہ میں تم آپس میں جھگڑ بیٹھو، تو اُس کو
اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو،

اس میں ایک خدا، (۲) اس کے رسول، اور (۳) امیرِ قوم کی اطاعت کا حکم ہے، امیر کی اطاعت کے بعد

[1] سورۂ تکویر کی آیت مطاعٍ ثَمَّ امین کو جب مفسرین نے جبرئیل امین مراد لیا ہے، تو بھی اسمیں صرف آسمانوں میں مطاع مانتے ہیں، انسانوں کیلئے نہیں



ہی ساتھ ہی یہ حکم ہے، کہ اگر کہیں ایسا ہو کہ کسی معاملہ میں امیر میں اور تم میں تنازع ہوجائے، اختلاف پیدا ہوجائے تو اس وقت اس اختلاف کو مٹانے کے لئے، اس تنازعہ کے فیصلہ کے لئے، وہ جھگڑا چکانے کیلئے فوراً خدا اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو، اس سے یہ امر واضح ہو کہ امیر کی اطاعت میں تنازعہ اور اختلاف کا امکان ہو لیکن سارے قرآن میں نظر دوڑائیے کسی ایک جگہ بھی نہیں پائیگا کہ اگر تم میں اور رسول میں کبھی تنازعہ ہوجائے کبھی اختلاف پیدا ہوجائے، تو اسکے لئے خدا کی طرف رجوع کرو بلکہ رسول کے فیصلے کے متعلق تو ارشاد ہو کہ

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ
فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَہُمْ۔ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ
اَنْفُسِہِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا
تَسْلِیْمًا۔ (سورۂ نساء ۵)

قسم ہے اپنے رب کی یہ لوگ کبھی صاحب ایمان
نہیں ہو سکتے، جب تک آپ کو یہ لوگ اپنا حکم نہ بنائیں
پھر آپ کے فیصلہ پر اپنے دلوں میں کسی قسم
کی کدورت نہ پائیں، اور آپ کے حکم کو پوری طرح...... برضا و رغبت مان لیں

یعنی رسول کو اپنے فیصلوں میں حکم بنانا شرط ایمان ہے، (یہی معنی رسول پر ایمان لانے کے ہیں،) اور پھر جس طرح ایک امیر کے فیصلے کے خلاف اپیل ہو سکتی ہے، رسول کا فیصلہ نہ صرف ایسا ہی ہے، کہ اسکی کہیں اپیل نہیں بلکہ اوسکے تسلیم کرنے کی شرط یہ ہے کہ طوعًا و کرہًا نہیں، بلکہ دل میں بھی کسی کا خیال نہ گذرے، اور رضا و رغبت سے ان فیصلوں پر سر تسلیم خم کردیں، اولی الامر کے فیصلے اور رسول کے فیصلے میں اس سے زیادہ بین فرق اور کیا ہو سکتا ہو، یوں سمجھئے کہ امیر ایک عدالتِ ماتحت کی طرح ہے، جس کے فیصلے کی اپیل ہو سکتی ہے، لیکن عدالتِ رسول ایک پریوی کونسل ہو کہ جس کے فیصلے کی پھر کہیں اپیل نہیں، اور یہ بات تو دنیا کے کسی پریوی کونسل کو بھی حاصل نہیں، کہ اس کے فیصلے کے خلاف دل میں کوئی خیال پیدا کرنا بھی جرم ہو، لہذا رسول کی اطاعت محض بہ حیثیت امیر قوم نہیں بلکہ بحیثیت رسول بھی فرض ہے،

اسمیں شبہہ نہیں کہ رسول قوم کے امیر بھی تھے، اور بہت سے احکام بہ حیثیت امیر صادر فرمایا کرتے تھے، لیکن تھوڑے تفحص سے یہ امر واضح ہو جاتا ہو کہ ایسے احکام کون سے تھے مثلاً

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ
یہ لوگ آپ سے انفال (خاص مالِ غنیمت)

لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ. حکم دریافت کرتے ہیں، کہدیجئے کہ غنیمتیں اللہ کی

(۸:۱) اور اس کے رسول کی ہیں،

ظاہر ہے کہ یہاں اللہ اور رسول سے مفہوم امارت ہے، اور رسول کے بعد یہی چیز امیر قوم کی طرف منتقل ہوجائے گی، چنانچہ ملکی امور کا انتظام، عساکر وجیوش کا انصرام، وقتی اور عارضی مصالح کی تدابیر ایسے احکام ہیں جن کا تعلق بہ حیثیت امیر ہے، اور اس مسئلہ کو خود صحابۂ کبار رضی نے ہی حل کرا لیا تھا، چنانچہ دنیوی امور کے متعلق بعض اوقات صحابۂ کرام دریافت کرلیا کرتے تھے، کہ یہ حکم بہ حیثیت رسول کے ہے، یا بہ حیثیت امیر، کیونکہ امارت کے متعلق یہ قرآن کا حکم تھا کہ،

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (۱۵۹/۳) اور ان سے حکومت میں مشورہ لے لیا کرو،

چنانچہ کئی دفعہ کثرت رائے سے ایسا فیصلہ ہوا، جو حضور کی رائے سے مختلف تھا، (اور یہ بھی اس لئے کہ مسلمانوں کو ایک صحیح جمہوری نظام اور سچی مواخاتِ اسلامی کا عملی نمونہ دکھانا مقصود تھا،) لیکن جو امور متعلق بہ دین تھے ان میں نہ کسی سے مشورہ لیا جاتا تھا اور نہ اسکے خلاف کسی کی رائے ہوسکتی تھی، تاریخ سے ثابت ہے، کہ امور دنیا کے متعلق بہ حیثیت امیر حضور نے معاملات مجلسِ شوریٰ کے سامنے پیش کئے، لیکن کسی ایک واقعہ سے بھی ثابت نہیں کہ حضور نے کوئی مجلسِ مشاورت اس غرض کے لئے منعقد کی ہو، کہ نماز کی کتنی رکعت مقرر کرنی چاہئے، اور زکوٰۃ کا کتنا حصہ معین ہونا چاہئے، یہ فیصلے بہ حیثیت رسول صادر فرماتے تھے اور انکی نوعیت امارت کے معاملات سے بالکل جداگانہ تھی، انکی سب سے بڑی مثال خود قرآن نے بیان کی ہے، مدینہ کی مسجد میں جماعت کیساتھ نماز ادا ہورہی ہے، حسب معمول نمازی بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے تھے کہ یکایک تحویلِ کعبہ کا حکم آیا، حضور نے سمت بدل لی، مومنین کو اس حکم کا کچھ علم نہیں، لیکن چونکہ معاملہ دین کا تھا، اور اس بارے میں وہ اطاعتِ رسول کو عین ایمان سمجھتے تھے، اسلئے بلاچون وچرا، بلاشائبہ تشکیک انھوں نے بھی منھوں کا رخ بدل لیا، قرآن اس کا ان الفاظ میں ذکر کرتا ہے،

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا اور جس سمتِ قبلہ پر آپ



إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُوْلَ رہ چکے ہیں، وہ تو محض اسلئے تھا، کہ ہم کو معلوم ہوجائے

مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ (بقرہ ۲/۱) کہ کون رسول کا اتباع کرتا ہے، اور کون پیچھے پھر جاتا ہے

اتباعِ رسول کی اس سے بین دلیل اور کون ہوسکتی ہے،

لہذا یہ واضح ہوگیا کہ بعض وقتی اور خالصۃً عارضی معاملات میں حضور کی اطاعت بہ حیثیت امیر قوم اگرچہ وقتی تھی لیکن حضور کی اطاعت بہ حیثیت رسول مستقل اور قیامت تک کیلئے فرض، بلکہ شرطِ ایمان ہے، اور یہی وہ اطاعت ہے جس سے روگردانی ابد الآباد کے جہنم کا موجب ہوتی ہے،

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اور جس نے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی

لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اس کے لئے جہنم کا عذاب ہے، جس میں وہ ہمیشہ

اَبَدًا (جن - ۲۳) ہمیشہ رہے گا،

تصریحاتِ بالا سے یہ امر واضح ہوگیا ہوگا، کہ رسول کی حیثیت محض ایک ڈاکیہ کی ہی نہیں، اور نہ ہی اس کی اطاعت محض ایک امیر کی حیثیت سے ہنگامی اور وقتی تھی، اسوقت ان اصطلاحی مباحث میں بھی الجھنے کی ضرورت نہیں کہ حضور کے احکام آپکے ذاتی اجتہاد کا نتیجہ ہیں، یا ان کی بنا وحی خفی پر ہے، اسلئے کہ جب اطاعتِ رسول شرطِ ایمان ٹھہری تو اس استفسار کی گنجایش کہاں کہ حکم کس بات پر مبنی ہے، جو ماننے والے اور مان کر کرکے دکھانے والے ہیں، انھیں ان باریکیوں کی ضرورت ہی نہیں ہے،

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغبان بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

لہذا صحیح ترین مسلک اس باب میں یہی ہوسکتا ہے، کہ جس بات کے متعلق تحقیق ہوجائے کہ رسول نے

یہ ترجمہ (کان کو ناقص سمجھ کر) عام مترجمین نے کیا ہے، لیکن اس عاجز کے خیال میں کَانَ کو اگر تامہ لے لیا جائے، تو بہت سی مشکلات سے بچ سکتے ہیں، اس صورت میں کُنْتَ عَلَيْهَا سے مراد موجودہ قبلہ ہوجائے گا، یعنی کعبہ تو قبلہ اس لئے بنایا......

"پرویز"

فرمائی ہے، اسمیں کسی قسم کی بحث کی گنجایش نہیں، اگر اسکے بعد بھی کوئی اپنی ضد چھوڑنے پر تیار نہ ہو تو سوائے اسکے کہ اسکے حق میں دعائے خیر کیجائے، اور کیا کہا جا سکتا ہی،

(۲)

یہ تو تھی تقریظ کی شکل، اب ایک مختصر سی گذارش افراط کے سمت بھی ہی، حقیقت یہ ہے کہ متشددین اہل حدیث نے اپنے مسلک میں بھی ذرا غلو سے کام لیا ہے، منکرین حدیث اگر قرآن کو حدیث سے بے نیاز سمجھتے ہیں تو متشددین حدیث بھی حدیث کو قرآن سے مستغنی جانتے ہیں، اسمیں شک نہیں کہ عہد نبوی صلعم میں یہ مسلک عین قرین ایمان تھا کیونکہ جسطرح قرآن کا کلام اللہ ہونا یقینی تھا، حدیث کا قول رسول ہونا بھی اسی طرح یقینی تھا، یعنی ہر دو یقینی تھے ظنی کوئی نہ تھا، اور چونکہ رسول کا ہر قول اور ہر عمل قرآن کی ناطق تفسیر تھا، اسلئے اسکی موجودگی میں گویا قرآن پر خود بخود عمل ہو جاتا تھا خواہ وہ قرآن کے کسی اجمال کی تفصیل میں ہو، یا اوس کے منشا کی تعبیر میں، لیکن آج اور اس وقت میں ایک نہایت بدیہی فرق ہو گیا ہی جسے قاطبۃً نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، یعنی ارشادات نبوی صلعم ہم تک تواتر لفظی کی حیثیت سے نہیں پہنچے (الا معدودے چند) بلکہ تواتر معنوی کے اعتبار سے پہنچے ہیں، اس میں ذرا کلام نہیں کہ ان احادیث کا تفحص و تجسس تحقیق و تدقیق اور نقد و تبصرہ میں حضرات ائمہ حدیث (علیہم الرحمۃ اجمعین) نے جس دقت نظر اور کاوش و دقیقہ سنجی سے کام لیا ہی، اسکی مثال دنیا کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی، ڈاکٹر اسپرنگر تو عربوں کا اسماء الرجال دیکھکر ہی ششدر رہ گیا تھا، اگر وہ کہیں تاریخ تدوین حدیث پر غور کرتا، تو پتہ نہیں کسقدر غرق حیرت ہو جاتا، لیکن با ایں ہمہ کد و کاوش، یہ تمام مساعی پھر بھی انسانوں کے ہی ہاتھوں سے سرانجام پائیں جنمیں کہیں نہ کہیں سہو و خطا کا امکان ضرور ہے، لاریب کہ ہمارا علم حدیث تمام دنیا کے علوم سے زیادہ یقینی اور قابل اعتماد ہے، لیکن قرآن کے مقابلہ میں تو اس جیسا یقینی نہیں، صحیح بخاری تو بیشک اصح الکتاب ہی لیکن بعد القرآن کی شرط بھی تو محدثین کی ہی عائد کی ہوئی ہی، اگر یہ تواتر لفظی ہوتا، تو اس یقین میں ذرا بھی تشکیک کی گنجایش نہ ہوتی، لیکن تواتر معنوی کی صورت میں جو چیز ہزار ہا دلوں میں سے ہو کر گذری ہو اسے قرآن کے مقابلہ کا یقینی ماننا بھی کچھ زیادتی ہے، اعمال و احکام کی صورت میں تو کوئی دقت نہیں، اس لئے کہ تمام قرآن کے



احکام پر حضور نے یا تو خود عمل پیرا ہو کر بتا دیا، یا دوسروں سے عمل کروا کر دکھا دیا، اور اس تمام کی تفصیل کتب سیر و حدیث میں اور اسکی زندہ نمایش حضور اور ان کے متبعین کے نقوش قدم میں تمام و کمال موجود ہے، لہذا احکام قرآنی کے بارے میں نہ کسی بحث کی گنجایش ہی اور نہ کچھ ذاتی رائے کو اسمیں کچھ دخل ہو سکتا ہے، وہ جس طرح سے اس ہادی و مرسل نے فرما دئے، ان میں ایک حرکت و علت کی تبدیلی بھی معصیت رسول ہے، باقی رہے حقائق و معارف (کہ جن کا بیشتر تعلق مباحث اصول و عقائد سے ہے،) سو ان کی تفسیر و تفہیم میں اگر کبھی اختلاف پیدا ہو جائے تو سب سے پہلے اس اختلاف کو خود قرآن سے ہی مٹانے کی کوشش کرنی چاہئے، کیونکہ اگر قرآن سے کسی معاملہ میں مدد ہی نہ لی جائے، تو اس کے محفوظ و مصون رکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی، اس میں اگر کوئی بین اور واضح راہ مل رہی ہو اور کسی حدیث کا مضمون اس سے اختلاف کرے، تو احتیاط اسی میں ہے، کہ قرآنی فیصلہ کو محکم اور یقینی سمجھتے ہوئے حدیث کو اسلئے مرجح قرار نہ دیا جائے کہ شاید ارشاد نبوی ہم تک اپنے اصل مضمون میں نہیں پہنچا، اس طرح سے تمسک بالقرآن بھی رہے گا، اور حضور تک قرآن کے مناقض تعلیم منسوب کرنے کے جرم میں بھی ہم ماخوذ نہ ہوں گے، لیکن جب تک کوئی حدیث قرآن کی واضح اور بین تعلیم کے مناقض ہو اپنے اجتہاد و رائے کے مقابلہ میں اس حدیث کو ہر حال میں مرجح سمجھنا چاہئے، کیونکہ اس کا قرآن کے خلاف نہ ہونا اور رسول کی طرف منسوب ہونا اس بات کی کافی ضمانت ہے کہ اس کے تسلیم کرنے میں معصیت رسول اور ترک قرآن کا ڈر نہیں، لہذا اجتہاد ذاتی سے فائق،

لیکن نقد و نظر احادیث کے لئے جس تدبر فی القرآن کی ضرورت ہے، اس سے ہمارا مقصد یہ نہیں کہ ہر کس و ناکس کے ہاتھ میں قرآن دیکر اسے اذن عام دیدیا جائے کہ جس طرح جی چاہے، قرآن کا مفہوم وضع کرلے، اور اس مفہوم کو معیار قرار دے کر رات خواہ لکھنؤ کے چوک میں گذارے، صبح اٹھکر اس معیار پر حدیث کو پرکھنا شروع کردے، اسکے لئے دماغ علوم دین اور قلب نور ایمان سے مزین ہونا چاہئے، علم کیساتھ عمل اور عمل کیساتھ اخلاص اور تقویٰ ہو، اور سب سے بڑھکر یہ کہ اس کا تدبر خالصۃً للہ اور حسن نیت پر مبنی ہو، اور مقصد اس سے صرف یہ ہو، کہ کسی طرح قدم جادۂ ہدایت اور صراط مستقیم سے ڈگمگا نہ جائے، جس پر گامزن ہونے کا نام اطاعت خدا و اطاعت رسول ہے،

جس طرح آج متسکین بالقرآن کو یہ شکایت ہے، کہ ہندوستان کے قریب قریب ہر شہر میں ایک آدھ دار الحدیث تو موجود ہے، لیکن کہیں دار القرآن نہیں ہے، دینی مدارس میں حدیث کا درس تو جاری ہے، لیکن ان کے نصاب میں درس قرآن کہیں ذکر نہیں، اور قرآن سوائے رمضان شریف کی تراویح کے اور کسی کام نہیں آتا، اسی طرح قرآنی آزادی کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ

هر لئیمے رازِ دارِ دین شده

ہر شخص کا اپنا اپنا دین اور اپنا اپنا اسلام جداگانہ نظر آئے گا، اور ہر شخص اپنے آپ کو صحیح متبع قرآن سمجھ کر کل حزب بما لدیہم فرحون کی زندہ تفسیر بن جائے گا۔[لہ]

لہذا ہونا یہ چاہئے کہ دین کا مرکز تو قرآن ہو، اور محیط احادیث، واللہ دربما قال،

بمحور پرکار ہیم پائے در شریعت مستقیم، پائے دیگر سیر ہفتاد و دو ملت کردہ ایم،

ایک اور جماعت ہے جس کا ذکر ضمناً ضروری ہے، جنھوں نے رسول کی مختلف حیثیات متعین کرنے کے ساتھ ساتھ ایک اہم نکتہ کو نظر انداز کر دیا ہے، کہ رسولؐ بیشک بہ حیثیت رسول مطاع و متبوع ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی

---

لہ یہ تمام دقتیں اسی صورت میں پیدا ہو رہی ہیں، کہ آج ہمارا کوئی دینی نظام اور مذہبی مرکز نہیں، ورنہ امیر قوم کی موجودگی میں بہت بڑی حد تک ان مشکلات کا دفعیہ ہو جاتا ہے، اس صورت میں قانون کی توضیح Interpretation کا حق ہر شخص کو حاصل نہیں ہو سکتا، بلکہ اسکے شعبہ عدالت (Court of Law) کی طرف رجعت ضروری ہوتی ہے، ہندوستان میں جب یہ شکل میسر نہیں تو کم از کم اتنا ضرور پیش نظر رہنا چاہئے، کہ اسلامی تعلیم کا مفہوم حقیقی باہمی اتحاد اور مواخات ہے، اور ایک ایسی Ideal Society کی تشکیل، جو دین ہو بلکہ افراد ایک مشیت کے ماتحت اور جن کے اعمال قلوب و جوارح ایک مرکز سے متعلق ہوں، اور چونکہ ذاتی جہالت سے اس نظام کا شیرازہ بکھر جاتا ہے، اس لئے انسب یہی ہے، کہ اگر کوئی اختلاف علم و تدبر کی کمی سے قرآن سے نہ مٹتا نظر آئے تو تفرقہ مٹانے کی غرض سے ثانیاً احادیث کی روشنی میں کسی ایک فیصلہ پر پہنچنے کی کوشش کی جائے، ورنہ دین میں تفرقہ اندازی سے تو شرک لازم آجاتا ہو،



وہ بشر بھی تو تھے جس کا قرآن نے حصر کیا ہے، اس لئے آپ دنیاوی کاروبار بھی فرماتے تھے، ہر چند اس کاروبار میں اخلاق و حسن معاملہ کے مواقع پر جس بلند و رفیع معیار کی مثال حضور نے پیش کی ہے، دنیا بھر کے معلمین اخلاق و مصلحین امم میں کہیں اور نہیں ملتی، اور اسی لئے قرآن نے حضور کو علیٰ خلق عظیم قرار دیا ہے، لیکن اس کاروبار کا انداز و سلیقہ طرز و طریق تو لا محالہ وہی ہوتا تھا، جو اس زمانہ میں مروج تھا، لہذا یہ کہنا کہ اس مخصوص انداز و طرق کا تمسک بھی اس اطاعت رسول میں شامل ہے، جسے قرآن نے فرض قرار دیا ہے، دین کو بہت زیادہ محدود اور ایک خاص ماحول سے متعلق کر دینا ہے، اس میں شک نہیں کہ اسلام میں دین کو دنیا سے الگ کرنا بہت مشکل ہے، لیکن تھوڑے سے تدبر سے یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے، کہ وہ دنیاوی معاملات کونسے ہیں، جنکے ڈانڈے دین سے جا ملتے ہیں، اور وہ کون کون سی صورتیں ہیں، کہ جنمیں کسی خاص وضع کی پابندی، یا کسی خاص زمانے التزام ہی عین دین ہیں، چنانچہ حضور نبی اکرم کی سیرۃ مقدسہ میں بہت سے واقعات ایسے نظر آئیں گے، (مثلاً کھجوروں میں گابھا لگانے کا واقعہ) جنکے متعلق خود حضور نے فرمایا کہ

انتم اعلم بامور دنیاکم — تم اپنے دنیاوی معاملات میں خود بہتر جانتے ہو

اور کھجوروں میں گابھا لگانے کے واقعہ کے بعد خاص طور پر فرمایا، کہ

فانی انما ظننت ظناً فلا تواخذونی بالظن — میں نے اسکے متعلق ایسا خیال کیا تھا، اور میرے ظن

ولکن اذا حدثتکم من اللہ شیئاً — (خیال) پر تمھیں کوئی گرفت نہیں، البتہ جو کچھ میں

فخذوا بہ۔ — دین (اللہ) کے بارے میں کہوں اسکے متعلق باز پرس

(حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۰۲ مطبوعہ مصر) — ہوگی،

چنانچہ یہ نقل کرنے کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب کہتے ہیں، کہ ان امور میں سے وہ ہیں، جو حضور سے علی سبیل العادت یا بحسب اتفاق عمل میں آئے، یا جو مصلحت وقت کے اعتبار سے کئے، لہذا کسی کو اس بات پر معصیت رسول کا مجرم کا مرتکب قرار دیدینا کہ اس نے جبہ کی جگہ چھوٹا کوٹ کیوں پہن لیا، تشدد ہے،

البتہ عشق و محبت کا میدان بالکل جداگانہ ہے، وہاں تو محبوب کے رنگ میں رنگے جانا ہی عاشق صادق کا عین ایمان ہوتا ہے، چنانچہ حضرت بایزید بسطامی نے عمر بھر خربزہ محض اسلئے نہ کھایا کہ انھیں تحقیق نہیں ہو سکی کہ حضور نے یہ پھل کس طرح سے تناول فرمایا تھا، ان کے اس جذبہ کی جسقدر ستایش کیجائے کم ہے، سبحان اللہ سبحان اللہ یہ مرتبۂ بلند ملا جسکو مل گیا، اتباع و اطاعت کے تمام منازل اس بادیہ پیمائے محبت کی گرد راہ ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ کامل اتباع و اطاعت حاصل ہی محبت سے ہوتی ہے، کیونکہ اطاعت رسول میں قرآن نے یہ شرط لگا رکھی ہے کہ حضور کے فیصلے طوعًا و کرہًا نہیں، بلکہ بطیب خاطر قبول کئے جائیں، اس انداز کی اطاعت محبت کے سوا اور کیسے حاصل ہو سکتی ہے، اور محبت کا وسوسہ تو ایک آن واحد میں وہ کام کر جایا کرتا ہے، جو رسمی اطاعت اور منطقی استدلال عمر بھر میں نہیں کر سکتے، ممکن ہے کہہ دیا جائے کہ میں جذبات کی رو میں بہتا چلا جا رہا ہوں، لیکن جذبات کو مذہب و عبادات سے الگ کر لیجئے، پھر دیکھئے باقی رہتا کیا ہے،

لیکن جہاں متوسطین فی الحدیث کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ محبت کی وادیوں کے ان رہ نوردوں کے طرز عمل کے خلاف لب کشائی کریں (تاوقتیکہ وہ اس میں غلو نہ کر جائیں) ان کیلئے بھی مناسب نہیں کہ اس روش کو جزو دین قرار دیکر باقی سب کو کافر بنا دیں، اسلئے کہ یوں بھی اس پر کسی کو اختیار نہیں، یہ تو وہ آگ ہے،

جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے،

شرع و آئین اور بدعت کی ریت میں جو باریک سا فرق ہے، اسے ہر فریق کو پیش نظر رکھنا چاہئے،

اخیر میں گذارش ہو کہ ان معروضات پر ٹھنڈے دل سے خالی الذہن ہو کر غور کریں، تو انشاء اللہ سلامت روی کی راہ مل جائیگا، اور امت وسطی کا یہ رستہ تشدد میں نہیں، بلکہ اوسط میں ہی ملیگا، و خیر الامور اوسطها، اسلام کی صحیح آزادی کی اسی میں مضمر ہے، کہ شمع قرآن کی روشنی میں رسول اللہ صلعم کے نقوش قدم پر چلتے جائیں،

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے، پا بگل بھی ہے

انہی پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کرلے



# اطبائے عرب کی کتابوں کے مغربی ترجمے

از

جناب حکیم سید علی احمد صاحب نیر واسطی لاہور

یورپ میں عرب اطباء کی بے شمار طبی کتابیں عربی سے مغربی زبانوں میں ترجمہ ہوئی ہیں، مغرب میں عربی سے لاطینی میں ترجمہ کا کام ۱۰۶۰ء میں شروع ہو چکا تھا، اور ۱۱۲۵ء سے ۱۲۸۰ء تک ہسپانیہ میں مغربی تراجم پر خصوصًا توجہ کی گئی ہے، جنوبی اٹلی اور سسلی کے باشندوں نے اس سلسلے میں خاص جد و جہد کی اور قسطنطنیہ سے سیاسی اور تجارتی تعلقات کی بدولت اس کام میں بہت آسانی ہوئی،

مشہور مستشرق ڈاکٹر لوکارک کا بیان ہے، کہ یورپ میں تقریبًا تین سو عربی طبی کتب کے تراجم ہوئے، لیکن اعداد و شمار صحیح نہیں، حقیقت یہ ہے کہ یورپ میں اس تعداد سے بہت زیادہ طب کی عربی کتابوں کا ترجمہ ہو چکا ہے، ذیل میں ہم بعض مشہور کتابوں کا ذکر کرتے ہیں،

قانون شیخ | شیخ بو علی سینا کی غیر فانی کتاب القانون جسے مغربی مصنفین کینن (Cannon) کہتے ہیں مغرب میں خصوصًا بہت مقبول ہوئی، اولًا اس کتاب کا ترجمہ ۱۵۹۳ء میں روما میں لاطینی زبان میں شائع ہوا، پھر ۱۵۹۵ء میں وینس میں لاطینی زبان میں اس کا ترجمہ شائع کیا گیا، زاں بعد اس کے فرانسیسی اور انگریزی تراجم اشاعت پذیر ہوئے،

قانون کو مغرب میں اسقدر مقبولیت حاصل ہوئی، کہ سولہویں صدی عیسوی تک پیرس، روم اور دیگر بلاد مغرب کی مشہور درسگاہوں کے نصاب تعلیم میں داخل رہا، چنانچہ ۱۶۵۰ء تک یہ کتاب لوین (بلجیم) کی مشہور یونیورسٹی

اور مونٹ پلیر (جنوبی فرانس کی مشہور یونیورسٹی) میں پڑھائی جاتی تھی،

قانون کے علاوہ شیخ کی کتاب السموم، الشراب، الارجوزہ، الترياق، اور الادویۃ المفردہ کے ترجمے بھی مغربی زبانوں میں ہو چکے ہیں،

**کتاب الادویہ،** موسویہ دمشقی کی کتاب الادویہ کے مغربی زبانون میں شاندار ترجمے ہوئے، صدیوں تک فضلائے مغرب نے اس کتاب کو آنکھون سے لگایا، اور پندرھویں اور سولھویں صدی عیسوی تک اس کے چھبیس اڈیشن شائع ہوئے، جمیس اول شاہ انگلستان کے زمانے مین شاہی طبی کالج کی طرف سے جو طبی فارما کوپیا شائع ہوا تھا، وہ یہی کتاب تھی،

**کتاب الکلیات** ابن رشد کی متعدد کتابون کے عبرانی اور لاطینی زبانون میں ترجمے ہوئے ہیں، اسکی بہترین کتاب کتاب الکلیات ہے، جسکو انگریزی میں کالی گیٹ (Colliget) کہتے ہیں، قرون وسطیٰ میں یہ کتاب بھی کتاب شیخ کی طرح مقبول تھی، بعض انگریزی تاریخی کتب کے حوالہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ کتاب آج بھی جرمنی کے شاہی کتبخانہ کی زینت ہے،

**التیسیر،** انگریزی مصنفین ابن رشد کے استاد ابن زکریا رازی کی کتاب التیسیر کے بہت مداح ہیں، اس کا پہلے عبرانی میں اور بعد ازان [illegible] میں لاطینی میں ترجمہ ہوا انگریزی کتب میں اس کا نام التیسیر (Alteizir) یا تیگنم اویس (Magnum opus) ہے،

**الزہراوی،** ابوالقاسم خلف بن عباس زہراوی المتوفی [illegible] کی کتاب الزہراوی علم جراحت کے سلسلہ میں مغرب میں خصوصاً بہت مقبول اور مشہور رہی ہے، حتی کہ موجودہ سرجری کے دور ترقی کا سنگ بنیاد یہی کتاب ہے، پوری کتاب عبرانی زبان مین گسبرگ میں ۱۵۱۹ء میں شائع ہوئی، پھر اس کے حصہ دویم کا ترجمہ عبرانی میں لاطینی ترجمہ کے ساتھ [illegible] میں یورپ میں شائع ہوا، ازان بعد دوسرے حصہ کا آخری نصف حصہ عربی متن اور لاطینی ترجمہ کے ساتھ طبع ہوا، اس ترجمہ میں یہ خصوصیت تھی، کہ اس میں عمل جراحت کے ان تمام آلات کی تصاویر بھی



دی گئی تھیں، جو اصل کتاب میں موجود ہیں،

**جامع ابن بیطار،** مشہور و معروف طبیب ابو محمد ابن البیطار ملاغی کی کتاب جامع المفردات ایک معرکۃ الآرا مستند تالیف ہے، انگریزی علم الادویہ کی اکثر بڑی کتابوں میں اسکے حوالے ملتے ہیں، یہ کتاب شریف ادریسی کی کتاب کے طرز پر لکھی گئی، فرانسیسی میں اس کا ترجمہ ہوا، اسکی نسبت اس کا فرنچ مترجم لکھتا ہے کہ دیقوریدوس کے بعد دور احیا تک کوئی کتاب تالیف ابن البیطار کا مقابلہ نہیں کر سکتی،

**الملکی،** علی بن عباس مجوسی کی کتاب کامل الصناعۃ جسے الملکی بھی کہتے ہیں، یورپ میں نہایت بلند پایہ طبی تالیف قرار دی گئی ہے، قانون شیخ سے پہلے مشرق و مغرب میں اسی کتاب کی سب سے زیادہ شہرت تھی، الملکی کو انگریزی میں (Kingly Book) کہتے ہیں، اور لاطینی زبان میں کئی مرتبہ اسکے ترجمے ہو چکے ہیں،

**تذکرۃ الکحالین** علی بن عیسی کی کتاب تذکرۃ الکحالین بھی مغرب میں بہت مقبول ہوئی ہے، اور آجتک امراض چشم کے موضوع پر مستند کتاب مانی جاتی ہے، انگریزی مصنفین و مترجمین اس کتاب کو (Book of Memorands for eye doctors) کہتے ہیں،

**علاج الغربا،** ابو جعفر احمد بن ابراہیم بن ابی خالق بن الجزار کی کتاب طب الفقرا یا علاج الغربا مغرب میں بہت پسند کی گئی، اور عبرانی اور لاطینی زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے، انگریزی مصنفین اس کتاب کو (Guide for the poor) کے نام سے یاد کرتے ہیں،

**بعض دیگر کتب،** ابن وافد المتوفی [illegible] مطابق [illegible] کی کتاب الادویۃ المفردہ اور کتاب الوساد بھی لاطینی میں ترجمہ ہو چکی ہے، اسی طرح ابو بکر رازی کی حاوی کبیر، الاغذیہ، العلل المفاصل، الکیمیا، التریاق، ابن رضوان کی مناعۃ جالینوس اور ابن ماسویہ کی الحمیات کے بھی مغربی زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں،

طبقات الامم، حجم ۱۵۰ صفحے، قیمت :- عمر

## تلخیص و تبصرہ

# ہندی اسلامی تمدن کی آفرینش

(ماخوذ از "آرس اسلامیکا" جلد اول حصہ اول)

تاریخ ہند میں مسلمانوں کا دورِ حکومت نہایت اہم گذرا ہے جبکہ ملک کا قدیم تمدن اپنی ہیئت سے تبدیل ہو کر موجودہ صورت میں آگیا، یہ جدید تغیر مسلمانوں کے متواتر حملوں اور پندرھویں صدی میں بحری راستوں کے انکشاف کے باعث ظہور پذیر ہوا، اس انقلاب کے مدارج کا مطالعہ نہایت دلچسپ ہے، ان تدریجی ترقیوں کے متعلق معلومات ابھی تک ہمارے پاس کافی نہیں ہیں، لیکن ایسے معلومات حاصل کرنے کیلئے ہمارے پاس اتنے مواد ہیں، کہ ہندوستان کے اور دوسرے عہدوں کے متعلق نہیں ہیں، یہ ذخیرہ اس قدر زیادہ اور الجھا ہوا ہے کہ اسکی مکمل تشریح اس مختصر مضمون میں ناممکن ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے، کہ اس کا احاطہ ہی نہیں کیا جا سکتا، اس لئے میں اس موضوع پر گفتگو کرنے کے لئے اپنے کو ذیل کے تین سوالات کے اندر محدود رکھوں گا، جن کے جوابات سے اس موضوع پر روشنی پڑے گی،

۱۔ مسلمانوں کے عہدِ حکومت میں ہندوستانی تمدن پر مختلف بیرونی اثرات کیا پڑے ؟

۲۔ یہ اثرات کس طرح رونما ہوے ؟

۳۔ ہندوستانی تمدن پر ان اثرات کے کیا نتائج مترتب ہوئے ؟

۴۔ ایک مغربی کیلئے فرنگی اثرات کا تذکرہ نہایت دلچسپ ہوگا، لیکن یہ امر واقعہ ہے، کہ وہ اتنی اہمیت



کے دور نہ ہوگا، کیونکہ اس زمانہ کے تمدن پر یورپ کا کوئی قابلِ ذکر اثر نہیں پڑا، اسمیں شک نہیں کہ میورل (Mural) اور مینیاتور (Miniature) مصوری میں فرنگی اثر کچھ پایا جاتا ہو خصوصاً جب ہم یہ دیکھتے ہیں، کہ اکبر اور جہانگیر نے اپنے دربارِ عام کو حضرت عیسیٰ، میڈونا، اور دیگر عیسائی ولیوں کی تصویروں سے جو ڈچ طرز پر تیار ہوئیں، مزین کی تھیں، لیکن یہ محض ان کا ایک ڈھکوسلا تھا، جو انھوں نے عیسائی پادریوں اور پرتگالی، ڈچ، اور انگریز ایلچیوں کے زیر اثر ہو کر ایسی چیزوں کو اپنے دربار میں داخل ہونے کی اجازت دی، مغلوں کے ابتدائی دور میں ایک پرتگالی ٹوپی بعد کچھ گھڑیاں، عینکیں، آئینے، لیمپ، تختی کرسیاں، چینی کے برتن اور سونا کا ملمع کئے ہوئے جاپانی ظروف محض عجیب اور دلچسپ ہونے کے باعث رکھے گئے، اور ان کی اہمیت "جوانوں اور بوڑھوں کے کھلونے" سے زیادہ نہ رہی،

اس زمانہ میں یورپی تجارت ملک کے اندرونی حصوں تک نہ پہنچ سکی تھی، کیونکہ یورپی تاجروں کے پاس ایسی چیزیں نہ تھیں، جو یہاں کے عام باشندوں کے لئے کار آمد ہو سکتی تھیں، یہاں کے عوام بھی اتنے امیر نہ تھے، کہ درآمدہ اشیاء کی خرید و فروخت کر سکتے، مسلمان امراء کو بیرونی اشیاء کی احتیاج ہی نہ ہوتی تھی، ہاں البتہ آتشیں اسلحہ کو یہاں کے باشندوں نے انہی مدتوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے ضرور قبول کیا، جب پرتگالیوں نے ہندوستان کے ساحلوں پر حملہ کر کے مسالہ کی تجارت پر قبضہ کر لیا، تو مالاباریوں اور گجراتیوں نے اپنے ہم پیشہ تجار عثمانیوں (رومیوں) مصریوں اور وینس والوں سے توڑے دار اور کارتوسی بندوقوں کا استعمال سیکھا، ہندوستان میں آتشیں اسلحہ کا استعمال ہمایوں کے عہد میں ان عثمانی ترکوں کے ذریعہ ہوا، جن کے جہاز گجرات میں غرقاب ہو گئے تھے، اور جنھوں نے یا تو مغل سلاطین یا اور دوسرے ہندوستانی نوابوں اور راجاؤں کے یہاں ملازمت اختیار کر لی تھی، سترھویں صدی میں ان کی جگہ فرنگیوں نے لے لی، جو مغل حکومت کے نہایت اعلیٰ تنخواہ دار فوجیوں میں سے تھے،

فرنگی اثرات ان مسلمانوں کیساتھ بھی تھوڑے بہت آئے، جو بحری راستوں سے ہندوستان میں داخل ہوئے مثلاً بصرہ اور سویز سے ترک، ہرمز سے ایرانی، نقلی چینی برتن ایران سے لائے گئے، اس زمانہ کے متعدد تختوں (Khrone) کی ساخت کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان پر ایرانی اثر بہت زیادہ غالب تھا،

چنانچہ اس ملک کے اثرات عینکوں اور آئینوں میں بھی دکھائی دیتے ہیں، دکن کی اکثر عمارتوں میں عثمانی طرز نمایاں ہے، سترہویں صدی کے علماء میں جو پوشاک مروج تھی، وہ استنبول کے زاہدوں جیسی تھی،

ہندوستانی تمدن پر جو نہایت اہم ایرانی اثرات بالواسطہ پڑے وہ کابل اور قندھار سے ہو کر ہندوستان آئے، تیموریوں کی جو حیثیت راسخ العقیدہ علماء کے گروہ میں تھی، وہی درجہ مغل امراء میں ایران کا تھا، مغل امراء نے اپنے بہترین مذاق سلیم کا منبع ہمیشہ ایران کو بنا رکھا تھا، جسکو وہ تحسین اور رشک کی نظر سے دیکھتے، سولہویں صدی کے اوائل میں ہمایوں نے اپنی جلاوطنی کا زمانہ شاہ طہماسپ کے دربار میں گذارا تھا، اور واپسی میں صرف ایرانی طریق ہی نہیں، بلکہ ایرانی صناع بھی ساتھ لایا، اس زمانہ سے ایرانی برابر مغل دربار میں آتے رہے، اور اپنے لطیف ذوق اور دانائی کے سبب خاطر خواہ اقتدار حاصل کرتے رہے، سترہویں صدی میں عباس اعظم کے عہد میں ایرانی اثر گہرے طور پر عیاں تھا، جہانگیر کے دربار میں لباس، قالین، مشجر زری، پھر دوسرا سامان آرائش مثلاً مرصع سفال تختے، اقلیدس کی طرز پر مثلث باغات اور مصوری تمام تر ایرانی تھے، جہانگیر کی ولیعہدی کے زمانہ سے اورنگ زیب کی حکومت تک دربار میں باضابطہ ایرانی امراء کا ایک گروہ رہا، جس میں ملکۂ وقت کے خاندان کے افراد ہوتے، یہ گروہ شاہجہاں کے دربار میں امتیاز اور اقتدار کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ گیا تھا، لیکن ایرانی تمدن کے اثرات کا انحطاط بھی اسی زمانہ سے شروع ہوا، دونوں ملکوں کے مذاق، عادات اور اطوار ایک خاص شکل اختیار کرنے لگے، جو ایک دوسرے سے مختلف تھے، ایرانی تمدن کا نمایاں وصف عیش پرستی اور فضول خرچی ہو گیا، اس کے برخلاف ہندی اطوار میں سنجیدگی اور لطافت آگئی، چنانچہ مغلوں کی تہذیب و تمدن ہندوؤں اور دکنی مسلمانوں کے زیر اثر ہو گئے، اکبر ثانی کے عہد میں یعنی انیسویں صدی کے اوائل میں گذشتہ ایرانی لباس، نقاشی اور مصوری کا تتبع کیا گیا، لیکن یہ دیرپا ثابت نہ ہوا، چنانچہ ہندی تمدن کے ارتقا میں ایرانی اثرات اتنے ہی غیر اہم ہیں جتنے کہ اس سلسلے میں فرنگی اور ترک اثرات ہیں،

حقیقی معنوں میں ترکستان ہی ہندوستانی تمدن پر بیرونی اثرات کا منبع رہا ہے، جہاں سے فاتحوں اور مہاجروں کا سیلاب برابر ہندوستان آتا رہا، لیکن اس تمدن کے اثرات میں اس قدر تغیر و تبدل پیدا ہو گیا، کہ ان بیرونی تمدنی



اجزاء کی تشریح آسان نہیں گو موجودہ صوبجاتی زندگی، مذہبی نظام اور نیچے طبقوں میں یہ اثرات ابتک پائے جاتے ہیں، سلاطین دہلی نے کچھ مستقل نشانات چھوڑے ہیں، اور یہ عہد مغل کے ہندوؤں کے لباس خصوصاً پگڑی، عام ہتھیار اور برتنوں کی بعض وضع، وزنی شمعدان، اور مشرقی سلجوقی طرز کے عود دان ہیں، لیکن پٹھان سلطنت کے ختم ہونے پر ہندی اسلامی تمدن کے اجزاء واضح طور پر نظر آتے ہیں، تیموری تمدن مسلمان فرمانرواؤں کے دربار میں مروج ہو جاتا ہے گو جنوب میں ہندو روایات کے اثرات سے یہ اپنی اصلی حالت پر قائم نہیں رہتا،

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ ہندوستانی تمدن قدیم ہندی اور وسط ایشیا کے تیموری تمدنوں سے مل کر تیار ہوا لیکن واقعہ یہ نہیں، اس حقیقت کو معلوم کرنے کیلئے ہمیں ان تمدنی ترقیوں کے مدارج کا مطالعہ نہایت غور سے کرنا چاہئے، ابتدائی دور میں اعلیٰ طبقہ کی معاشرتی زندگی میں مشرقی ترکستان کے عادات و اطوار مروج تھے، لیکن بہت جلد ایک انقلاب پیدا ہو گیا، اکبر کی ہندو ذہنیت نے اپنا رنگ دکھایا، سادہ زندگی، سادہ عادات و اطوار کو ترجیح دی گئی، جو یا تو تیموری پٹھان طرز پر مشتمل تھے، یا خالص ہندوستانی وضع کے تھے، ہندوستان کی آب و ہوا کی نوعیت بھی ترکستانی تمدن کے فروغ میں سد باب رہی، تیموری لباس ہندوستان کے گرم اور مرطوب آب و ہوا کیلئے موزوں نہ تھے، چنانچہ اس لباس کے وہی حصے برقرار رکھے گئے، جنکو پٹھانوں نے ہندوستانی حالات کا لحاظ رکھتے ہوئے، اپنے لئے پسند کیا، لباس کی بعض خاص وضعیں مخصوص جماعتوں مثلاً علماء اساتذہ کے لئے یا مذہبی اور شادی کے موقعوں کیلئے قائم رکھی گئیں، عورتوں نے تو بعض خالص وضع کے ہندو لباس اختیار کر لئے، لباس اور کپڑے کی نوعیت میں تبدیلی آتے ہی زری ناپید ہو گئی، اور ہلکے قسم کے ہندوستانی کپڑے استعمال کئے جانے لگے، قالین کی بھی اہمیت جاتی رہی کیونکہ زمین پر بیٹھنے کا رواج کم ہوتا گیا، خیموں اور مکانوں کی ساخت گرمی کی شدت کے باعث بدل گئی، انگیٹھی کا استعمال جاتا رہا، شمعدان میں ہوا کے روکنے کیلئے جو اوٹ لگائے جاتے تھے ہٹا دیے گئے، عمارتوں میں لکڑی اور دھوپ سے خشک کی ہوئی اینٹوں کے بجائے تراشے ہوئے پتھر مصرف میں آنے لگے، فرنیچر میں جڑے ہوئے تختے کی جگہ ڈنڈے استعمال میں لائے گئے، ان تمام باتوں میں ملکی اثرات رفتہ رفتہ حاوی ہو رہے تھے،

ان ملکی اثرات کی ایک وجہ یہ بھی تھی، کہ ترکی اور ایرانی صناع ایک نہایت قلیل تعداد میں ہندوستان آئے تھے، لامحالہ انھیں ملکی کاریگروں کی مدد لینی پڑی، چنانچہ ان ملکی کاریگروں نے اپنے مذاق کا اثر اچھا خاصہ ڈالا، انھیں اپنے مذاق کے اثر ڈالنے میں کچھ زیادہ مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑا، کیونکہ ہندوستانی تمدن کے کثیر اجزاء وسط ایشیا یا مشرق قریب سے لئے گئے ہیں، جسطرح وسط ایشائی تمدن بودھ مذہب کے روایات کا بڑی حد تک رہین منت ہے،

پھر بھی ہندی اسلامی تمدن دو مختلف تمدنوں کی محض آمیزش نہیں کہی جاسکتی، یہ خالص ترکی اسلامی تمدن کا بدل تھا، جسمیں ایک ہی وضع کے ہندوستانی اجزار تھے، یہ زیادہ تر ملکی تمدن سے لئے گئے، جن میں ہندوستان کے قدیم روایات کو مد نظر رکھا گیا، یا ہم یوں کہیں کہ یہ تمدن تیموری وضع کی نقل اور سوانگ تھا، ابتداء میں ایک ہی وضع کے اجزاء کے انتخاب میں بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوئیں، لیکن جوں جوں اس نئے تمدن کی نشوونما ہوتی رہی، اسمیں خاص نکھار پیدا ہوتا گیا، اس تمدن کا آغاز اکبر کے آخری اور جہانگیر کے ابتدائی دور حکومت سے ہوا، شاہجہاں اور اورنگ زیب کے عہد میں یہ شہنشاہی تمدن تمام مغل سلطنت میں پھیل گیا، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا، کہ ہندوستان کی قدیم روایات رفتہ رفتہ تنزل پذیر ہوتی گئیں، بعد کی صدی میں اوس نے ارتقائی دور تمام بیرونی اثرات سے آزاد ہوکر اپنی طرز پر طے کیا، اس ارتقاء کی خصوصیت یہ تھی، کہ یہ تمام طرزوں سے علحدگی اختیار کرتا گیا، جس سے تمدن اپنی تمام اصلیت سے دور ہوتا گیا، اور تنزل اور نسوانیت ظہور پذیر ہونے لگی، زندگی کی تمام دلچسپیاں ظاہری نمایشوں میں تبدیل ہوگئیں، مثلاً گذشتہ عہد میں طاق دیواروں میں کم ہوتے تھے، اور صرف استعمال کیلئے بنائے جاتے تھے، لیکن اب محض زینت کے لئے بنائے جانے لگے، سولھویں صدی میں چتر کھلی ہوا سے لطف اندوز ہونے کے لئے بنایا جاتا تھا، مگر اب چھتوں کے سامنے محض خوبصورتی کے لئے بنایا جانے لگا، ہمایوں، اکبر اور جہانگیر کی پوشاک عمارات اور روزمرہ کی اشیاء کے خوشگوار رنگ، سفید ململ، نقش ونگار، سنگ مرمر اور چاندی کے کاموں میں تبدیل ہوگئے، گنبد کی شکل ایک مہیب کنول کے پھول کی طرح ہوگئی، ذخیرہ بہیئت میناکاری سے پر ہونے لگا، خود مردوں نے تصنع



جواہرات اور آرایش سے اپنی صورتیں بدل لیں، تعمیرات، مصوری، اور ادب جنمیں حقیقت تھی محض جذباتی ہوگئے، غرضیکہ سولہویں اور سترہویں صدی کی وضع وقطع بالکل بدل گئی،

زندگی اور تمدن خالص ہندوستانی ہوگئے، بیرونی اثرات جو پٹھانوں اور مغلوں کے عہد میں قبول کئے گئے تھے، وہ بالکل مفقود ہوگئے، اور یہ تمدن خالص قدیم ہندوستانی اور نہ خالص وسط ایشائی رہا، پھر بھی ان بیرونی اثرات کے بغیر موجودہ ہندوستانی تمدن کی تشکیل ناممکن تھی، ان بیرونی اثرات نے ہندوستانی تمدن پر اپنا تسلط قائم نہیں کیا لیکن اس کے ذریعہ ہندوستان کے قدیم تمدن کی بیخ کنی ضرور ہوگئی، قدیم تمدن کے دلپسند اجزاء نے ان خارجی اثرات کو قبول کرتے ہوئے ایک خاص شکل اور صورت اختیار کرلی، پس ہندی اسلامی تمدن بالکل ہندوستانی ہے، جو خالص ہندوستانی اجزاء پر مشتمل ہے، لیکن قدیم ہندوستانی پر نہیں، بلکہ ہندوستانی شدہ ترکی اسلامی روایات پر مبنی ہے۔

"ص"

# انقرہ

## ترکی کا جدید پایہ تخت

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے تازہ نمبر میں ترکی حکومت کے نئے پایہ تخت کے دلچسپ حالات شائع ہوئے ہیں، انکی تلخیص درج ذیل ہے:۔

فوجی اسباب کی بنا پر پایہ تخت کو ایشیا میں منتقل کرنے کا خیال مصطفےٰ کمال پاشا کو شروع ہی سے تھا، جرمن فوجی مشن کے افسر اعلیٰ وان ڈر گولٹز پاشا (von der Goltz Pasha) نے بھی پہلے ہی یہ تجویز پیش کی تھی، مصطفےٰ کمال پاشا ایک بالکل جدید مملکت قائم کر رہے تھے، اور وہ اسے قدیم دار السلطنت کی مشکلات سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے، جو اگرچہ بلاشبہ ایک عظیم الشان شہر تھا، لیکن صوبوں پر اپنے اخراجات کا غیر معمولی بار ڈالنے کے علاوہ بحیرائے یکجین کے یورپی ساحلوں کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد اسکی حالت خود بھی حد درجہ غیر مستقل ہوگئی تھی، ایشیائی ترکی میں دو شہر اپنی تاریخی روایات کے لحاظ سے پایہ تخت بنائے جانے کے مستحق تھے، انقرہ جو غلاشیہ کا قدیم دار الحکومت تھا، اور اس

قبیل العمر ترکی جمہوریہ کا پایۂ تخت بھی رہ چکا تھا، جو سلطان مراد اول کے عہد میں تھوڑے دنوں کیلئے قائم کی گئی تھی دوسرا شہر قونیہ سلجوقی ترکوں کا دارالسلطنت رہ چکا تھا، غازی موصوف نے اولین قومی حکومت کے گہوارہ کو چھوڑنا پسند نہیں کیا، اور انقرہ کو منتخب کیا، اور اسوقت شہر کی آبادی چالیس ہزار باشندوں پر مشتمل تھی، جن کا تمدن پست اور جنکی ظاہری حالت نہایت زبون تھی،

۲۷ر دسمبر ۱۹۱۹ء کو مصطفےٰ کمال پاشا نے انقرہ کو مستقل طور پر اپنا مستقر بنا لیا، ان کی یہ جدید اور مستقل قیامگاہ بذریعہ ریل باسفورس سے ملی ہوئی تھی، جس سے فائدہ یہ ہوا کہ دارالنائبین (Chamber of Deputies) کے انتخاب کی نگرانی آسان ہوگئی، جب ڈاکٹر رضا نور کی تحریک پر اس مجلس نے خود اپنی برخاستگی کی تجویز منظور کرلی (۱۶ر مارچ ۱۹۲۰ء) تو مصطفےٰ کمال نے جنھوں نے پہلے مجلس مذکور کو انقرہ میں لانے کی کوشش کی تھی، فوراً ہی انطولیہ میں مجلس ملی کبیر (Grand National Assembly) کے انتخاب کا کام شروع کر دیا، اس مجلس نے ۲۳ر اپریل اور ۵ر مئی ۱۹۲۰ء کو انقرہ میں اپنا اجلاس کیا، اور یہ شہر اس مجلس کا دارالحکومت بن گیا، سرکاری عہدہ داروں اور نائبوں (Deputies) کی ایک بڑی تعداد نے جس میں سے بہتیرے قسطنطنیہ سے بھاگ کر آئے تھے، یہاں پہنچ کر مستقل طور پر بود و باش اختیار کرلی، اخباروں کے ذریعہ عوام کو تیار کرنے کے بعد ۱۳ر اکتوبر ۱۹۲۳ء کو مصطفےٰ کمال پاشا نے مجلس ملی سے یہ تجویز منظور کرالی کہ انقرہ انتظامی پایۂ تخت قرار دیا جائے، اس قانون کے رو سے پایۂ تخت قسطنطنیہ سے انقرہ کو منتقل ہوگیا، لیکن مصطفےٰ کمال پاشا نے عمداً قانون کے متن میں لفظ پایۂ تخت نہیں آنے دیا،

استنبول کی طرح انقرہ میں بھی ولایت انقرہ کے والی کے علاوہ ایک عامل مقرر کیا گیا، اور اس کے بعد شہر کی توسیع اور تزئین میں سرگرمی دکھائی گئی، اسمیں ہر طرح کی دقتوں اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا، زمین اتنی شور تھی کہ درخت اُگتے ہی نہ تھے، اور جہاں زمین کھود کر درست کی جاتی تھی، وہاں بارش کے بعد نمک سطح پر آجاتا تھا، دلدلوں کو خشک کرنے کی ضرورت تھی، کیونکہ اُن سے ملیریا پھیلتا تھا، شہر جس قطعہ میں واقع تھا، وہ تقریباً ریگستان ہی تھا، گرد



اتنی زیادہ تھی کہ اسے دور کرنا محال معلوم ہوتا تھا، لیکن یہ تمام دشواریاں رفتہ رفتہ دور ہوتی گئیں، اور چند دنوں کے بعد چوڑی چوڑی سڑکیں تیار ہوگئیں، جن کے حاشیہ پر عمارتیں اور درخت قائم ہوگئے، باغات لگائے گئے، جن میں مجلس ملی کبیر کا باغ خصوصیت کیساتھ قابلِ ذکر ہے، دلدل خشک کر دیئے گئے، اور شہر کو ایام گذشتہ کی وبا سے پناہ مل گئی، جس مقام پر یہ دلدل تھے، وہاں عنقریب گھوڑ دوڑ کے میدان، باغات اور مزدور پیشہ لوگوں کے مکانات بننے والے ہیں، عمدہ ستھرے اور آرام دہ ہوٹل تعمیر ہوگئے ہیں، شہر اور مضافاتِ شہر میں بجلی اور گیس کی روشنی کا انتظام ہوگیا ہے، رومن حکومت کے زمانہ میں پانی کا انتظام جن نہروں کے ذریعہ تھا، وہ اب مسمار ہوگئی ہیں، ۱۸۹۵ء کے بعد سے نئی سنگی نہروں کے ذریعہ پانی لایا جاتا تھا، لیکن اب بڑے بڑے حوض تعمیر کر دیے گئے ہیں، جن میں پانی جمع رہتا ہے اور انہی حوضوں سے تمام شہر میں تقسیم ہوتا ہے،

۱۹۲۵ء میں انقرہ کے قدیم شہر سے متصل جدید شہر کی بنیاد ڈالی گئی، اور ۱۹۵ مکانات تعمیر ہوئے، اسی سال ادارہ ہلال احمر اور مدرسہ قانون قائم کئے گئے، ۱۹۲۶ء میں ان عمارتوں کی تکمیل ہوئی، جو پچھلے سال شروع کی گئی تھیں، ان کے علاوہ چند قومی عمارتیں، مثلاً مجلس علیہ عظمیٰ کی عمارت، وزارتِ مالیات کی عمارت اور مختلف دفاتر کی عمارتیں تیار کی گئیں، ۱۴۰ مکانات جدید شہر میں، اور ۲۰۲ قدیم شہر میں بھی بنائے گئے، ۱۹۲۷ء میں ۳۶ مکانات تعمیر ہوئے، ۱۹۲۸ء میں جانسن (Jansen) نامی ایک جرمن ماہرِ تعمیرات کی تجویز اور نقشہ کے مطابق ۲۴۶ مکانات تعمیر ہوئے، ۱۹۲۹ء میں صرف ۸۰ مکانات بنے، لیکن ۱۹۳۰ء کی تعداد ۲۰۲، ۱۹۳۱ء کی ۲۷۵ اور ۱۹۳۲ء کی ۱۵۱ تھی، ۲۹ر دسمبر ۱۹۳۲ء کو مجلس ملی کبیر نے ایک قانون پاس کرکے تعمیر شہر کی ایک عظیم الشان تجویز پیش کی، جس کے مطابق جدید شہر کے جنوب میں سرکاری عمارتیں بنائی جائیں گی، اسمیں مجلس ملی کے لئے بھی ایک نئی عمارت ہوگی، اس وقت تک باضابطہ طور پر دو ہزار مکان بن چکے ہیں، انکے علاوہ مزدوروں اور کاریگروں نے مضافات میں اپنے لئے جو مکانات بلا اجازت بنوا لئے ہیں، اُن کی تعداد پانچ سو ہے لیکن مزدوروں اور کاریگروں کے یہ مکانات اسوقت گرا دئے جائیں گے، جب سرکاری طور پر ان کیلئے عمارتیں

بن جائیں گی، چالیس سے زیادہ سرکاری اور قومی عمارتیں تیار ہو چکی ہیں، تقریباً تمام وزراء اپنی مستقل قیامگاہوں میں رہتے ہیں، اسپتال اور مدرسے بھی بن گئے ہیں جنمیں لڑکیون کا وہ مدرسہ جو عصمت پاشا کے نام سے منسوب ہے سب سے زیادہ نفیس اور خوبصورت ہے، متعدد عظیم الشان عمارتیں فوجی اداروں اور بنکوں کے لئے تیار ہو گئی ہیں، شہر کا ایک عجائب خانہ بھی قائم کیا گیا ہے، جس میں ترکی نسل سے متعلق مختلف مقامات کے آثار قدیمہ جمع کئے گئے ہیں، شہر کے مختلف حصوں میں نمایاں جگہوں پر غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے مجسمے بھی نصب ہیں،

دس سال کی مدت میں انقرہ کی آبادی دوچند سے زیادہ ہو گئی ہے، اور اس وقت اس کے باشندوں کا شمار پچاسی ہزار ہے، امید کیجاتی ہے کہ مضافات کے دیہاتی رقبے بھی جب شہر میں داخل کرلئے جائیں گے، تو آبادی بہت زیادہ بڑھ جائیگی، تاہم یہ شہر فی الحال زیادہ تر سرکاری عہدہ داروں ہی کا شہر ہے، اسکے اکثر باشندے استنبول سے اپنا تعلق باقی رکھے ہوئے ہیں، اور گرمی کا موسم وہیں گذارتے ہیں، خود مصطفیٰ کمال پاشا بھی گرمیوں میں استنبول یا ایک دوسرے مقام یالوا (Yalova) کو چلے جاتے ہیں، دوسری حکومتوں کے سفراء نے بھی انقرہ میں بود و باش اختیار کر لی ہے، لیکن وہ بھی کبھی استنبول میں رہتے ہیں، اور کبھی انقرہ میں، انقرہ کے باشندوں کی ایک جماعت جو محبان انقرہ کے نام سے مشہور ہے، کوشش کر رہی ہے، کہ گرمی کے موسم میں بھی لوگ انقرہ ہی میں قیام کریں،

"ع ز"

## عرب کی موجودہ حکومتین

یہ عجیب بات ہے کہ جزیرۃ العرب کیساتھ مذہبی تعلق و عقیدت کے باوجود ہندوستان کے مسلمانوں کو نجد و حجاز کے علاوہ عرب کے دوسرے حصوں اور حکومتوں کے حالات سے بہت کم واقفیت ہے، اسلئے اس کتاب میں عرب کا تفصیلی جغرافیہ اور تمام قابل ذکر حکومتوں، نجد و حجاز، عسیر و یمن، لحج، نواحی، قسقط، بحرین، کویت، اردن، فلسطین و شام کے مختصر جامع حالات جمع کر دیئے گئے ہیں، ضخامت ۱۰۰ صفحے، قیمت عہ

"منیجر"



# اخبار علمیہ

## دیوان جامی کا ایک نادر قلمی نسخہ،

لافیٹ کالج (پنسلوینیا امریکہ) کے کتبخانہ میں دیوان جامی کا ایک نادر قلمی نسخہ محفوظ ہے جس سے متعلق مندرجہ ذیل معلومات رسالہ آرس اسلامیکا" (Ars Islamica) میں شائع ہوئے ہیں :-

یہ دیوان جامی کی چھوٹی چھوٹی نظمون کا مجموعہ ہے، جامی کی ولادت جام واقع خراسان میں، ۷ نومبر ۱۴۱۴ء کو ہوئی تھی، اور وفات ہرات کے مقام میں ۹ نومبر ۱۴۹۲ء کو پیش آئی، یہ نسخہ وفات کے صرف تیئیس سال بعد لکھا گیا، اور اسے اس زمانہ کے دو مشہور ماہرین فن نے تیار کیا، یعنی خوشنویس سلطان علی مشہدی اور مصور محمود مذہب (طلاکار) اسکی جلد گہرے بادامی رنگ کے چمڑے کی ہے، اور اوپر کی طرف سترہ سنہرے تمغے بنے ہوئے ہیں، اس کا صفحہ ۹۳/۴ انچ لمبا اور ۵۱/۲ انچ چوڑا ہے، متن خط نستعلیق میں ہے، اور ہر صفحہ میں دو کالم اور پندرہ سطرین ہیں، کاغذ بہت وزنی اور مختلف رنگون کا ہے، زرد، بادامی، سبز، گلابی، سفید، ہلکا نیلا، اور گہرا نیلا، حاشیہ پر بہت مرصع نقش و نگار ہیں، بابون اور نظمون کے عنوان سنہرے خط میں لکھے ہوئے ہیں :-

اس دیوان میں قصیدے، غزلیں اور رباعیان ہیں، صفحات کی تعداد ۳۵۱ ہے، اچار تصویریں بھی ہیں، پہلی تصویر میں جامی ایک فلسفی سے باتیں کر رہے ہیں، زاویہ میں مصور کا دستخط اور یہ عبارت ہے :- "اسے محمود مذہب نے بنایا" اس تصویر کو دور جدید کے کسی یورپین شخص (جسکی ملک میں یہ نسخہ رہ چکا ہے) کی تشریحی تحریر نے جو انگریزی زبان میں ہے، شرمناک طریقہ پر خراب کر دیا ہے، دوسری تصویر میں ملازمین باغ میں ایک دعوت کا سامان کر رہے ہین

اور ایک فقیر اپنے بچہ کو لئے ہوئے، ان کو دیکھ رہا ہے، تیسری تصویر دوہری ہے، دو صفحوں پر، جسمیں ایران کا سلطان
حسین بالقیرا اپنے درباریوں اور بعض علماء کے حلقہ میں بیٹھا ہوا ہے، چوتھی تصویر میں ایک استاد اپنے شاگردوں
کے ساتھ باغ میں بیٹھا ہوا ہے، کتاب کے آخر میں یہ تحریر ہے، کہ اس مخطوطہ کو سلطان علی مشہدی نے بمقام ہرات
۹۲۱ھ ہجری مطابق ۱۵۱۵ء میں ختم کیا، اسکے صفحات ۶ الف، ۱ الف، اور ۳۴ ب پر بہت سی مہریں، اور سابق
مالکوں کے دستخط ہیں، یہ مخطوطہ اول اول بابر کے لئے تیار کیا گیا تھا، اس کی وفات کے بعد اس کے جانشینوں کے
کتبخانہ میں رہا، اس پر جہانگیر، شاہجہان، اورنگ زیب کے دستخط ثبت ہیں، پھر یہ ایک شاہی عطیہ کی حیثیت سے
بعض صوبوں کے حکمرانوں کے پاس رہا، اور ان میں سے ایک کے کتبخانہ میں ۱۸۵۷ء تک محفوظ رہا، اسوقت دوسرے
سامانوں کیساتھ یہ بھی ضبط کرلیا گیا، اور جیمس اسکاٹ (Rev James Long Scott) نام ایک امریکن
مشنری نے اسکو نیلام میں خرید لیا، لافیٹ کالج میں یہ نسخہ اُسی کا عطیہ ہے،

## ایک جدید لغت

برطانیہ کے ادارہ تحقیقات تاریخی (Institute of Historical Research) کی ایک کمیٹی عنقریب
ایک ایسا لغت تیار کرنے والی ہو، جسمیں برطانوی مقبوضات کے تمام نو دریافت مقاموں، پہاڑوں، راستوں اور
دریاؤں کے جدید ناموں کی تحقیق درج ہوگی، ان میں سے ہر نام اپنے ساتھ ایک تاریخ رکھتا ہے، جسکی تشریح اس
لغت میں کیجائے گی، بہتیرے ناموں کی اصل کے متعلق زیادہ سے زیادہ روایتی طور پر کچھ معلوم ہے، بعضوں کی
ابتدا کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں، کمیٹی مذکورۂ بالا سلطنت برطانیہ کی مختلف تاریخی کمیٹیوں کی مدد سے ایسے تمام ناموں
کی تحقیق کریگی، مثلاً یہ بات عام طور پر معلوم ہے کہ مقام لیڈی اسمتھ کا نام سر ہیری اسمتھ کی اہلیہ کے اعزاز میں رکھا گیا
تھا، جو ۱۸۵۰ء کے قریب راس امید کا گورنر تھا، لیکن بہت کم لوگ واقف ہیں، کہ فارے اسمتھ (یہ بھی جنوبی افریقہ
میں واقع ہے،) ایک مرکب نام ہے، جو ایک مشنری فارے (Rev. P. E. Faure) اور
سر ہیری اسمتھ کے ناموں سے مل کر بنا ہے، مشہور سیاحوں مثلاً ڈیوس (Davis)، بفین، (Baffin)



ہڈسن (Hudson) اور تاسمین (Tasman) کے ناموں سے جو مقامات مشہور ہیں، ان کی اصل تو
آسانی سے معلوم ہوجاتی ہے، لیکن خاص خاص بحری سفروں میں جن واقعات کی بنا پر بعض جزیروں کا نام آسنشن آئلینڈ
(Ascension Island) اور ایسٹر آئلینڈ (Easter Island) پڑ گیا، ان کی نسبت
صحیح معلومات ابھی تک حاصل نہیں ہیں، بعض بائبل کے ناموں سے مثلاً بیر شیبا (بئر شبع) (BEERSHEBA)
واقع جنوبی افریقہ، معلوم ہوتا ہے، کہ وہاں مشنری مرکز قائم کئے گئے تھے، مقامی روایت کی رو سے اسمتھ ٹاؤن کی
بنیاد ۱۷۹۵ء میں کیپٹن اسمتھ نام ایک فوجی افسر نے رکھی تھی، جو لنکن شایر کا رہنے والا تھا، لندن کمیٹی کا کام ہوگا، کہ اس
روایت کی تحقیق و تصدیق کرے، اور بتائے کہ اس نام کا کوئی افسر اس دستہ فوج کیساتھ تھا، جو اسوقت وہاں
متعین تھی، جو مقامات کسی غیر فوجی شخص کے نام کیساتھ منسوب ہیں، اُن کی تحقیق زیادہ مشکل ہو، برطانوی کمیٹی نے نوآبادیات
کی مختلف جغرافیائی اور تاریخی انجمنوں کو اس کام میں شرکت اور مدد کی دعوت دی ہو،

## پانچ ہزار سال قبل کی جراحی کا ایک شاہکار

حال میں سسکس (انگلستان) کے ساحل پر ایک نہایت قدیم کاسہ سر پایا گیا ہو، جسمیں دو سوراخ ہیں
اور ہر سوراخ ایک انچ سے زیادہ لمبا چوڑا ہو، مسٹر ابرٹس نے جو برائٹن میوزیم کے ڈائرکٹر ہیں، تحقیق کرکے بتایا کہ یہ کاسہ سر عصر النحاس
(BROUZEAGE) کا ہے، اس تحقیق کے بعد ماہرین آثار قدیمہ کے نزدیک اسکی قدر و قیمت میں حد درجہ اضافہ
ہو گیا ہو، کیونکہ برطانیہ میں عصر النحاس کا صرف یہی ایک کاسہ سر ایسا ملا ہو جسمیں آپریشن کے سوراخ پائے گئے ہیں، علاوہ بریں برطانیہ
میں یہ صرف تیسرا کاسہ سر ہے، جو کسی قدیم زمانہ سے تعلق رکھتا ہو، اور جسمیں آپریشن کے نشانات موجود ہیں، ان میں سے ایک برٹش
میوزیم میں ہو، اور دوسرا لندن میوزیم میں، لیکن ان دونوں میں سے ہر ایک میں صرف ایک ہی سوراخ ہو، اور اسمیں دو سوراخ ہیں
لندن کے ایک ماہر فن ڈاکٹر ولسن پاری جنھوں نے تیس سال اسی قسم کے سروں کی تحقیق میں صرف کئے ہیں، اس کاسہ سر کا معائنہ کرکے
بتایا کہ زندگی کی حالت میں اسکا آپریشن سنگ چقماق کے ایک آلہ سے کیا گیا تھا، معائنہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپریشن کے بعد یہ آدمی
تندرست ہو گیا تھا، اب سے پانچ ہزار سال پہلے اس قسم کا آپریشن بلاشبہہ فن جراحی کا ایک حیرت انگیز شاہکار ہے،

## برطانیہ میں کتابوں کی اشاعت

سنہ ۱۹۳۴ء میں جو کتابیں برطانیہ میں شائع ہوئیں، ان کا شمار ۱۵۶۲۸ ہے، اس سے قبل کبھی سالانہ اشاعت اس تعداد تک نہیں پہنچی، سنہ ۱۹۳۳ء کے مقابلہ میں سنہ ۱۹۳۴ء کی تعداد اشاعت بقدر ۶۰۶ زائد تھی، دونوں سالوں کی میزانیں حسب ذیل ہیں،

| | سنہ ۱۹۳۳ء | سنہ ۱۹۳۴ء |
|---|---|---|
| نئی کتابیں | ۹۵۲۸ | ۹۵۴۷ |
| ترجمے | ۳۷۷ | ۳۹۰ |
| رسالے | ۱۱۷۷ | ۱۲۵۹ |
| نئے ایڈیشن | ۳۹۴۰ | ۴۴۳۲ |
| | ۱۵۰۲۲ | ۱۵۶۲۸ |

سب سے زیادہ اضافہ افسانوں میں تھا، انکی مجموعی تعداد ۱۵۳۱ ہے تھی، جو مقابلہ سنہ ۱۹۳۳ء کے ۴۲۲ زائد تھی، علاوہ برین سفرناموں، بچوں کی کتابوں، تاریخی کتابوں نیز فوجی، بحری، کاروباری، اور فنی کتابوں میں بھی کافی اضافہ تھا، برخلاف اسکے معاشرت لٹریچر، جغرافیہ، موسیقی، اور مذہب سے متعلق کتابوں کی اشاعت میں تخفیف تھی،

## چھوٹے چھوٹے زلزلے

یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ زمین میں مسلسل ایک تھرتھراہٹ رہتی ہے، اور اسکی سطح پر بے شمار چھوٹے چھوٹے زلزلے واقع ہوتے رہتے ہیں، اگرچہ یہ زلزلے اسقدر خفیف ہوتے ہیں، کہ ان سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا، تاہم ان میں سے بعض بڑھکر بڑے بڑے زلزلے ہو جاتے ہیں، اور کافی نقصان پہنچا دیتے ہیں، ان چھوٹے چھوٹے زلزلوں کی تحقیق کے سلسلہ میں معلوم ہوا ہے، کہ یہ جاڑے کے موسم میں بہ نسبت گرمیوں کے زیادہ تیز ہو جاتے ہیں، انکے اسباب کی تحقیق بھی کی گئی ہے، لیکن ابھی تک کوئی بات یقینی طور پر معلوم نہیں ہو سکی ہے، ایک قیاس یہ ہے کہ سمندر میں موجوں کے ساحل پر ٹکرانے سے بھی یہ زلزلے پیدا ہوتے ہیں، کسی بڑے دھماکے سے ان چھوٹے چھوٹے زلزلوں کا پیدا ہونا تو ایک معلوم اور محسوس چیز ہے، چنانچہ حال میں امریکہ میں ڈنامائٹ کا ایک زبردست دھماکا ہوا تھا جس سے نوے میل کے فاصلہ پر بھی زمین کی جنبش محسوس کی گئی،

"ع - ز"



# ادبیات

## تابش سہیل

از جناب اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے (علیگ) ایڈوکیٹ اعظم گڈھ

عرش بریں بھی اس کے مقابل نہیں رہا ۔۔۔ جس دل کو تونے دیکھ لیا دل نہیں رہا

اب تو در حرم کے بھی قابل نہیں رہا ۔۔۔ پرسش ہو جس کی دیر میں وہ دل نہیں رہا،

تیرا ہی جلوہ گرمی محفل نہیں رہا ۔۔۔ کیا میرا حسن دید بھی شامل نہیں رہا،

درس جنون عشق کو کچھ ظرف چاہئے، ۔۔۔ دیوانہ کیا بنے گا، جو عاقل نہیں رہا،

کل اس پہ بوے بادۂ کوثر حرام ہے، ۔۔۔ جو آج مست غمکدۂ دل نہیں رہا،

ہے خود طلب ہی منزل گم گشتگان شوق ۔۔۔ اب امتیاز جادۂ و منزل نہیں رہا،

اٹھے ہیں سیر دشت جنون کو جناب شیخ ۔۔۔ کیا کوئی خار اب سر منزل نہیں رہا،

بیداری حیات کے نغمے سنائے کون ۔۔۔ زندان میں اب وہ شور سلاسل نہیں رہا،

پھر موج زندگی میں نہیں شورش عمل ۔۔۔ پھر کوئی سنگ راہ مقابل نہیں رہا،

چشم کرم کی شوخی طرز ستم نہ پوچھ ۔۔۔ غم بھی بقدر حوصلۂ دل نہیں رہا،

پہنچی وہاں بھی شیخ و برہمن کی کشمکش ۔۔۔ اب میکدہ بھی سیر کے قابل نہیں رہا،

کیا سن سکے گا حسن حقیقت کے زمزمے ۔۔۔ زاہد ہلاک عشوۂ باطل نہیں رہا،

گم تھی فضائے عشق میں کل کائنات حسن ۔۔۔ اٹھا غبار قیس تو محمل نہیں رہا،

صدقے ترے کرم کے مصیبت ہو زندگی ۔۔۔ مرنا اب اہل ہوش کا مشکل نہیں رہا،

سب شکوے غرق ہوگئے موجِ نگاہ مین
تم مل گئے تو کچھ گلۂ دل نہیں رہا،

اب غرقِ بحرِ غم کو ہے طوفان کی تلاش
دستِ طلب میں دامنِ ساحل نہیں رہا،

جب سے جمالِ عشق ہے پیشِ نظر سہیل
میں آب و رنگِ حسن کا قائل نہیں رہا،

## کلامِ احسان

از جناب مرزا احسان احمد صاحب احسان، بی اے، ال ال بی (علیگ) اعظم گڈہ

وہ دل جو بارِ عشق کا حامل نہیں رہا
اس کی نگاہِ ناز کے قابل نہیں رہا

سر سے مرے گذرتی رہی موجِ بحرِ غم
پر شکر ہے کہ طالبِ ساحل نہیں رہا،

اٹھی نگاہ جوشِ تمنا میں جب مری
ہر پردہ چاک تھا کوئی حائل نہیں رہا،

اس کے ستم میں آئیں نظر وہ عنایتیں
اب لب پہ میرے شکوۂ باطل نہیں رہا،

خود ذوقِ جستجو سے اٹھاتا رہا مزا،
دل کو مرے کبھی غمِ حاصل نہیں رہا،

سب دیکھتی سمجھتی نگاہیں رہیں مری
میں شدتِ جنوں میں بھی غافل نہیں رہا،

ناکامیاں ہی عشق کی تھی کامرانیاں
لذت شناسِ دردِ مگر دل نہیں رہا

دشواریاں تھیں ہوش کے دم سے بہت مگر
کچھ بھی جنونِ عشق میں مشکل نہیں رہا،

لیکر غبارِ قیس اٹھا وہ ہجومِ نور
خورشید نجد جس کا مقابل نہیں رہا،

منزل شناسِ عشق حقیقت میں تھا وہی
جس کو خیالِ دوریِ منزل نہیں رہا

اک روح پھونک دی ہو مگر کائنات میں
گو خاک ہو کے میں کسی قابل نہیں رہا

وہ برقِ طور بھی نظر آتی نہیں کہیں
کیا کیجئے کہ جذبۂ کامل نہیں رہا،

بیکار ہے وہ ذوقِ طلب راہِ عشق میں
ہمراہ جس کے شورِ سلاسل نہیں رہا،

سنتا ہے کون نغمۂ دار و رسن ترا
احسان اب وہ ولولۂ دل نہیں رہا،



## قفس اور آشیانہ

از

جناب مرزا عزیز فیضانی دارا پوری،

کسی طائر کو اک زریں قفس میں دیکھکر تو
پرانی وضع کا اک پیر با تدبیر یوں بولا

تو اے مرغِ قفس کس غم میں ہو کیوں تلملاتا ہے
وہ کیسا درد ہے جو تجھکو رہ رہ کر ستاتا ہے

ترے جانسوز نغموں میں نظر آتی ہوے غم کی
بلائی تجھکو کنجِ عافیت میں کس نے غم کی

مصیبت کیا پڑی ہے تجھکو جس پر آہ و زاری ہے
وہ کیا افتاد ہے جس کے لئے یہ بیقراری ہے

یہ دیکھ اس تیرے مسکن میں گذر کافی ہوا کا ہے
قفس یہ کیا ہے تختہ ایک باغ و گلستاں کا ہے

یہ نازک تیلیاں تیرے قفس کی سب طلائی ہیں
جو زرگر نے بڑے شوق اور محنت سے بنائی ہیں

صفائی بھی ترے پنجرے میں ہے اور روشنی بھی ہے
میسر آبِ شیریں ہے غذائے روغنی بھی ہے

یہ دیکھ اس میں ہے تیرے جھولنے کو ایک جھولا بھی
ہوا طیار یہ گویا مسرت کا ہیولا بھی

یہیں رکھا ہوا ہے سامنے تیرے اک آئینہ
کہ تو دیکھا کرے اس میں پر و بال اور سر و سینہ

تجھے اس ڈھنگ سے ہمجنس کی صورت نظر آئے
غرض یہ ہے کہ تیرا عکس تیرے دل کو بہلائے

یہاں تجھکو میسر ہے خوشی سے چہچہانا بھی
پھدکنا، بیٹھنا، اٹھنا، اچھلنا اور گانا بھی

یہ قصرِ دلکشا بھی اس میں تختِ خسروانہ بھی
یہ فرصت اور بے فکری یہ اندازِ شہانہ بھی

مشقت ہے نہ محنت ہے نہ کچھ فکرِ معیشت ہے
وظیفہ مفت ملتا ہے کیا اللہ کی رحمت ہے

نہ شاہیں کا یہاں ڈر ہے نہ کچھ خوفِ نشانہ ہے
میسر تجھکو امن و عافیت سے آب و دانہ ہے

نہ بارش برق اور آندھی کا ڈر اس آشیانے کو
جو آتی ہیں بھگونے کو جلانے کو اڑانے کو

غرض بے سود رنج و غم میں گھٹ گھٹ کر نہ مر ناداں

تجھے ہیں نعمتیں حاصل خدا کا شکر کر ناداں

یہ سب کچھ سن کے طائر بھر کے آہ سرد بول اٹھا
اسیروں پر یہ پند و وعظ اور اک ظلم ہو گویا

زبان وعظ کو روک اس میں مضمر ہے دل آزاری
اسیری کو بھی اک نعمت سمجھ لینا ہے بیماری

تو کو جیتا ہے قدر حریت خلوت نشیں ہو کر
ہوا ہے پست ہمت تنگ حجرے میں مکیں ہو کر

اگر نعمت ہے یوں زنداں میں رہکر نازمیں ہونا
تو نعمت اس سے بھی بڑھکر ہے پیوند زمیں ہونا

میں آزادی کا شیدا تو غلامی کا پجاری ہے
تجھے راحت بدن کی مجھکو راحت دل کی پیاری ہے

اگر اب ہو قفس میں بند تجھ کو کر دیا جائے
بلا محنت ترے آگے بھی کھانا رکھ دیا جائے

تو پھر سمجھے کہ یہ کھانے سراسر زہر ہیں گویا
یہ امن و عیش زنداں میں خدا کا قہر ہیں گویا

نظر تیری ہے کھانوں پر مگر تجھکو خبر کیا ہے
اگر مالک نہ دے کھانا تو اسکو میرا ڈر کیا ہے

تجھے کیا علم کیوں لیتا ہوں رنج امن و اماں دیکر
طلب کرتا ہوں کیوں تنکے یہ زریں تیلیاں دیکر

جو تو نے میری آنکھوں سے نہیں دیکھا یہاں کیا ہے
تو اب میری زباں سے سن یہاں کیا ہے وہاں کیا ہے

وہاں ہر بات میں ہر کام میں اپنی خوشی مرضی
یہاں مجھکو قفس میں رکھنے والے کی خوشی مرضی

وہاں مرضی سے اڑ کر میں جدھر چاہوں ادھر جاؤں
یہاں اڑنا کہاں مرضی یہ ہے گھٹ گھٹ کے مر جاؤں

وہاں اپنی خوشی سے میں جہاں چاہوں وہاں بیٹھوں
یہاں یہ ہے کہ ظالم نے بٹھایا ہو جہاں بیٹھوں

وہاں پرواز اپنی، نغمہ اپنا اور نے اپنی
یہاں انصاف سے کہد و کہ ہو بھی کوئی شے اپنی

وہاں مجھکو ہے میرا آشیانہ ایک کاشانہ
یہاں زریں قفس ہے ایک وحشتناک ویرانہ

وہاں من ہو، یہاں تن ہو، یہاں تن ہو وہاں جاں ہو

وہاں جنت مرا گھر ہو، یہاں دوزخ یہ زنداں ہو



# مطبوعات جدیدہ

**البینات**، از جناب محمد سلیم صاحب ۳۲۹ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت :- عہ پتہ دفتر البینات امراوتی (برار)

ہندوستان کے اسلامی حلقوں میں قرآن مجید کی تعلیمات کی عام اشاعت کا خیال روز بروز ترقی پر ہے اور خوشی کی بات ہے کہ اب یہ خیال عملی شکل بھی اختیار کرتا جاتا ہے، البینات اسی کی ایک کڑی ہے، اس کے لائق مرتب نے اس ضرورت کا احساس کیا، اور قرآن مجید کی آیتیں مع ترجمہ اس ترتیب سے جمع کیں، کہ پڑھنے والے کو کسی ایک موضوع پر قرآن مجید کی تعلیمات کا علم اجمالاً ہو جائے، کتاب چند ابواب "مذہبیات" "معاشیات" "اخلاقیات" اور "اجتماعیات" وغیرہ میں منقسم ہے اور ہر عنوان کے نیچے مختلف سرخیاں قائم کر کے ان کے مناسب آیتیں درج کی ہیں، اور جہاں تشریح و تفسیر کی ضرورت ہوئی ہے، مختصر تشریح کر دی ہے، شروع میں الاصباح کے عنوان سے مقدمہ ہے، جسمیں تعلیم قرآن کے عام کرنے کی ضرورت جتائی گئی ہے،

کتاب کی صوری و معنوی دونوں خصوصیتیں لائق ذکر ہیں، کتاب چھوٹی تقطیع پر عمدہ لکھائی چھپائی اور نفیس جلد بندی کے اہتمام کے ساتھ شائع کی گئی ہے، اور معنوی خصوصیت اس کی ترتیب، تبویب اور اختصار ہے، اس طرح بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرو دینے سے اسکی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے، ضرورت ہے، کہ اسے اسلامی مدارس کے نصاب میں داخل کیا جائے، اور جن انگریزی اسکولوں میں مذہبی کتابیں بھی پڑھائی جاتی ہیں، ان میں اسے سب سے پہلے جگہ دیجائے،

**تعلیمی ہند**، مرتبہ اراکین مجلس قاسم المعارف، دیوبند (یوپی) ۹۶ صفحے، قیمت ۱۲ر

"تعلیمی ہند" مولینا سید حسین احمد صاحب مہاجر مدنی، شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کی سیاسی یادداشتوں

کا مجموعہ ہے، جسے مجلس قائم المعارف نے مرتب کرکے شائع کیا ہے، اسمیں ہندوستان میں برطانوی حکومت کے
قیام سے دور حاضر تک کے ہندوستان کے تعلیمی حالات پر تبصرہ کیا گیا ہے، رسالہ کے مضامین انگریز
مورخین اور حکومت کے انگریز اعلیٰ عہدہ داروں کے بیانات ڈسٹرکٹ گزیٹیرون، اور سرکاری رودادوں کے
کی بنیاد پر قائم ہیں، اسلئے اسمیں جو کچھ کہا گیا ہے، وہ محض ہندوستان کے جذباتی خیالات کی ترجمانی نہیں، بلکہ حکومت
اور انگریزی قوم کے تسلیم شدہ حقائق سے نتائج نکالے گئے ہیں،

رسالہ کے آغاز میں موجودہ حکومت سے پہلے ہندوستان کی تعلیمی حالت دکھائی ہے کہ مثلاً اس عہد میں
صرف بنگال میں ۸۰ ہزار مدارس تھے، یعنی ہر چالیس آدمیوں پر ایک مدرسہ (ماکس میلز) بلکہ پورا ہندوستان
اسکولوں سے اس طرح بھرا ہوا تھا، کہ ہر ۳۱ لڑکوں پر ایک اسکول کا اوسط نکلتا" (ریونیو لارڈز ۱۸۲۱ء)
پھر اس عہد کی تعلیمی دلچسپیاں دکھائی ہیں، کہ مثلاً اسی زمانہ میں ایک ہندوستانی وفد نے ایک حاکم اعلیٰ کے سامنے
اسکی تحریک اور منشاء کے بغیر تعلیم کیلئے ۵ ہزار روپے بیٹھے بیٹھے جمع کر دیے، (اڈورڈ ہیڈ چیف جسٹس)، اس کے
بعد مختلف مستند اقتباسات میں دکھایا ہے، کہ حکومت نے جان بوجھ کر ہندوستانیوں کی تعلیمی ترقیوں میں روڑے
اٹکائے، یہ اسلئے کہ "علم اور غلامی ساتھ ساتھ نہیں رہ سکتی" (الکنس سمیڈٹے) اور "تعلیم کے اثر سے ان کے قومی و مذہبی
تفرقے دور ہوجائیں گے، جن کے ذریعہ اب تک ہم نے اس ملک پر قبضہ رکھا ہے" (ولیم ڈگبی) پھر ہندوستان
میں مشرقی مدارس کھولنے اس کے بعد لارڈ میکالے کے مشہور نظریۂ تعلیم کے سامنے آنے کے بعد ان مدارس کی طرف
سے توجہ ہٹا کرنے انگریزی مدارس کے قائم کرنے قدیم مدارس کی وقعت گھٹانے، اور تعلیم کا نیا ڈھانچہ تیار کرکے
جدید محکمۂ تعلیم قائم کرنے تک کے حالات تفصیل سے بیان کئے ہیں، پھر اس نظام تعلیم کے اثرات و نتائج اعداد و شمار کے ذریعہ سے
دکھا کر ہندوستان کی تعلیمی حالت کا موازنہ مشرق و مغرب کے دوسرے ملکوں سے کیا ہے، اور ہندوستان اور غیر ملکوں
کے تعلیمی اخراجات کے فرق کا مفصل نقشہ دکھایا ہے، پھر تعلیمیافتوں کی بیکاری اور اس کے بعد مسلمانوں
کی تعلیمی پستی کے اسباب و علل بتائے ہیں، اور مستند اقتباسات سے دکھایا ہے کہ حکومت نے اپنی طے شدہ



حکمت عملی کے مطابق مسلمانوں کو تعلیم اور محکمۂ تعلیم سے علٰحدہ رکھا،

اس رسالہ کے مطالعہ سے ہندوستان میں برطانوی حکومت کی تعلیمی حکمت عملی کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے،

**علم اور اسلام**، از جناب قاضی احمد میاں صاحب اختر جوناگڑھی، قاضی واڑہ، جوناگڈہ (کاٹھیاواڑ)

۵۸ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۱۲؍

فرانس کے مشہور فلسفی ارنسٹ رینان نے "علم اور اسلام" کے عنوان پر ایک لکچر دیا تھا، جسمیں انھوں نے
دکھایا تھا کہ مذہب اسلام نے علمی و عقلی ترقیوں کی آزادی نہیں دی، اسلامی علوم و فنون میں جو ترقیاں ہوئیں
وہ غیر عربوں کی رہین منت ہیں، اور ان غیر عربوں کا کارنامہ بھی بس اسی قدر ہے کہ انھوں نے غیر زبانوں کے
علوم ناقص شکل میں عربی زبان میں منتقل کر دیئے، عربوں میں صرف ایک فلسفی الکندی پیدا ہوا ہے، جس زمانہ
میں یہ لکچر دیا گیا، علامہ سید جمال الدین افغانی پیرس میں موجود تھے، موصوف نے اسکی ایسی پر زور تردید شائع کی، کہ پھر
رینان نے اپنی بعض غلطیاں تسلیم کیں، اور بعض عمومی بیانوں میں تخصیص پیدا کی، اس کے بعد ایک دوسرے پروفیسر
موسیو مسمر نے رینان کا جواب شائع کیا، پھر سید امیر علی نے رینان کے جواب الجواب کا مختصر جواب اسپرٹ
آف اسلام میں دیا،

زیر تبصرہ رسالہ میں رینان کے اصل خطبہ (مترجمہ مولوی محمد اسمٰعیل اصلاحی) موسیو مسمر کے جوابی مضمون
رینان کے جواب الجواب اور امیر علی کے تردیدی بیان کا ترجمہ شائع کیا گیا ہے، ترجمہ صاف سلیس اور واضح
ہے، افسوس ہے کہ لائق مترجم کو سید جمال الدین کا جوابی مضمون دستیاب نہ ہو سکا، جو اس سلسلہ کی اہم کڑی
اور اصل جان تھی،

رینان کے یہی خیالات ہیں، جو مختلف لفظوں اور شکلوں میں مغرب اور مغرب زدہ دوستوں کی طرف سے
دہرائے جاتے ہیں، اگرچہ موسیو مسمر کا جوابی مضمون بہت تشنہ ہے، اور اسمیں غیر متعلق مباحث درج ہیں تاہم وہ
ایک غیر مسلم کے قلم سے ہے، اور پھر رینان کے جواب الجواب اور سید امیر علی کے مختصر جواب کو ملا کر پڑھنے سے ان خیالات

کی قلعی کھل جاتی ہو، امید ہے کہ یہ رسالہ اہلِ علم میں پوری دلچسپی سے پڑھا جائے گا،

**سیپارۂ دِل**، از جناب قاضی احمد میاں صاحب اختر جوناگڈھی، قاضی واڑہ، جوناگڈھ،

ضخامت ۴۸ صفحات، قیمت ۱۰؍

جناب قاضی احمد میاں صاحب اختر جوناگڈھی علمی و ادبی حلقوں میں روشناس ہیں، ان کے ایک علمی رسالہ کا ذکر اوپر گذرا، یہ سیپارۂ دل ان کی چند منتخب غزلوں کا مجموعہ ہے، غزلوں کا معیار بلند، مذاق پاکیزہ، طرزِ ادا آسان، الفاظ سہل و سادہ اور نامانوس لفظوں، مغلق ترکیبوں، اور دور از کار استعاروں اور تشبیہوں سے کلام صاف ہے، موصوف غزل کو غزل ہی کی زمین تک رکھتے ہیں، غزل میں الٰہیات، تصوف اور فلسفہ کے مسائل کی آمیزش نہیں کرتے،

**نغمۂ روح**، از جناب اختر انصاری، بی اے، ۶۶ صفحے، قیمت: عہ؍ پتہ، مولوی محمد افضل صاحب محلہ ناہر خان، بدایون،

جناب اختر انصاری اردو کے نوجوان شاعر ہیں، اُن کے کلام اردو کے ادبی رسالوں میں نکلتے رہتے ہیں، موصوف کا مجموعۂ کلام نغمۂ روح کے نام سے شائع ہوا ہے، جس میں ہر صنفِ سخن کے نمونے موجود ہیں، کلام صاف اور ستھرا ہے، اور جدید اردو شاعری کے مذاق کے مطابق ہے،

**نقشِ آخر**، از جناب اشتیاق حسین صاحب قریشی پروفیسر سینٹ اسٹیفنس کالج دہلی، ۱۰۹ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۱۰؍ پتہ مکتبہ جامعہ دہلی،

جناب اشتیاق حسین صاحب قریشی مختصر اردو ڈرامے لکھنے میں کامیاب ثابت ہوئے ہیں، اس ڈرامہ میں ۱۸۵۷ء کے انقلابِ حکومت کے حسرت انگیز واقعات دکھائے ہیں، اور معزز اور شریف گھرانوں کی بربادی کی ایسی مصوری کی ہو کہ اس عہد کا نقشہ آنکھوں میں گھوم جاتا ہو، اور پھر دکھایا ہو کہ سلطنت کے بدلتے ہی خیالات میں بھی تبدیلی ہوئی، انگریزی تعلیم رائج ہوئی اور نئی تہذیب نے قدیم تہذیب کو مٹا کر اسکی جگہ لے لی، ڈرامہ اثر انگیز اور پڑھنے کے لائق ہے،

دوسرا



**افغانستان**، (انگریزی) مصنفہ جناب جمال الدین احمد بی اے، بی ٹی و محمد عبد العزیز صاحب ایم اے،

ناشر دار التالیف کابل، صفحے ۱۵۰، قیمت درج نہیں،

یہ افغانستان کی ایک مختصر تاریخ ہے، ابتدا میں لائق مصنفوں نے سرسری طور پر ملک افغانستان کی سیاسی، جنگی اور تمدنی اہمیت دکھانے کی کوشش کی ہو، پھر یہاں کے جغرافی حالات، رقبہ، آبادی، آب و ہوا، پیداوار پر اجمالی نظر ڈالی ہو، اس کے بعد یہاں کی قدیم تاریخ کا ایک دھندلا سا خاکہ دیا ہی جب کہ ملک آتش پرستوں، یونانیوں، بدھوں اور ہندوستانیوں کے ماتحت وقتاً فوقتاً رہا، ۶۴۲ء سے مسلمانوں کا دورِ حکومت شروع ہوا، اس کے بعد سے موجودہ فرمانروا کے دورِ مسعود تک کے حالات اس میں مذکور ہیں، گو حالات نہایت مختصر ہیں، مگر ان کے پڑھنے کے بعد افغانستان کی اہم تاریخ نظر کے سامنے آجاتی ہو،

آخر میں موجودہ افغانستان کے نظامِ حکومت کا ذکر ہے، جسمیں مقامی حکومت، قبائلی تنظیم، مذہب، قانون، انصاف، محکمہ پولیس، قید خانہ، نظامِ فوج، تعلیم، حفظانِ صحتِ عامہ، مالیات، پیداوار، صنعت و حرفت، معدنیات، اندرونی وسائل نقل و حمل، ڈاکخانہ، تار گھر، ٹیلیفون، بینک، ٹکسال، اور ہوا بازی کے متعلق معلومات فراہم کیے گئے ہیں، یہ تمام معلومات فراہم کرکے لائق مصنفوں نے افغانستان اور اہلِ افغانستان کے تہذیب و تمدن کے بارہ میں جو غلط فہمیاں بیرونی ممالک خصوصاً یورپ میں ہیں، انکو دور کرنیکی کوشش کی ہو،

کتاب کے آغاز میں ڈاکٹر سر محمد اقبال کا ایک مختصر دیباچہ ہے، جسمیں انھوں نے افغانستان اور اہلِ افغانستان کی خوبیوں کا ذکر کیا ہے، خصوصاً وہ حصہ نہایت دلچسپ ہے، جسمیں انھوں نے اپنے مخصوص انداز میں افغانستان کے ایک حصہ کی دلکش قلمی تصویر کھینچی ہو،

**شری مہر بابا ہز فلوسفی اینڈ ٹیچنگ** (انگریزی) از اے کے، عبد اللہ (راجو) ناشر رستم کے سروش ایرانی، ناسک، قیمت ۱۲؍

یہ رسالہ پونا کے شری مہر بابا کے فلسفے اور تعلیمات پر لکھا گیا ہو، اس میں خدا، معرفت، محبتِ الٰہی، اور عملی تصوف

ان کے خیالات کے مباحث درج ہیں،

**کوبلر اینڈ ادر شورٹ اسٹوریز،** (انگریزی) از جناب فتح اللہ خان صاحب ناشر نیو حیدرآباد پریس

اسٹیشن روڈ سکندرآباد (دکن)، قیمت: ۸ر

یہ چند طبعزاد قصوں کا مجموعہ ہے، جو بچوں کے لئے لکھے گئے ہیں، قصے اخلاقی اور اصلاحی ہیں، اور بچوں کیلئے مفید ہوں گے،

**ٹربیوٹس ٹو اسلام،** (انگریزی) ناشر سکریٹری انجمن سیرۃ النبی، جبلپور سی پی،

اسمیں اسلام کے متعلق غیر مسلموں اور نومسلموں کے خیالات یکجا کئے گئے ہیں،

**دی ٹیچنگیں آف اسلام سیریز، پمفلٹس نمبر I اینڈ II،** از مولینا مفتی کفایت اللہ صاحب ناشر جمیعۃ العلماء برما سرتی سنی جامع مسجد رنگون،

مولینا مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علمائے ہند کے دو رسالے اردو زبان میں بچوں کیلئے تھے جنمیں اسلامی عقائد اور مسائل کی تعلیم انھیں دی گئی ہو، جمعیۃ علماء برما نے ان دونوں رسالوں کا انگریزی ترجمہ مذکورہ بالا ناموں سے شائع کیا ہو،

**دی لاسٹ پارٹ آف دی ہولی قرآن،** مقام اشاعت عالمگیر تحریک قرآن سوسائٹی حیدرآباد دکن،

یہ پارۂ عم کا انگریزی ترجمہ ہے، جس میں پہلے ایک ایک لفظ پھر ایک ایک سطر کے علحدہ علحدہ ترجمے ہیں،

**دی قرآن پرائمر،** پتہ دار الکتب اسلامیہ احمدیہ بلڈنگ لاہور، قیمت ۴ر

اس رسالہ میں انگریزی زبان کے ذریعہ کلام پاک پڑھنے کے آسان طریقے بتائے گئے ہیں،

**دی اوریجن آف الفابٹس اینڈ نیومرلس،** (انگریزی) ناشر ارن ساہا نمبر ۱۹ کلکشمی کنڈ ابنارس، قیمت: ۔/۶ر



یہ وہ مقالہ ہو جو ار۔ ان ساہا، ام، ار، اے، اس نے آل انڈیا اورنیٹل کانفرنس منعقدہ پٹنہ میں پڑھا تھا اب کتاب کی صورت میں شائع ہوگیا ہے، مصنف موصوف نے ہندوستان کی تمام زبانوں کی اصلیت اور ہندسوں پر ایک محققانہ نظر ڈالی ہو، ہندوستانی لسانیات سے دلچسپی رکھنے والوں کیلئے اس رسالہ میں کافی مواد ہو،

**تاریخ الٰہی** (انگریزی) از وی اس ہندرے، ناشر جی بی تارے، گھانگ واوا، نمبر ۵۰۵ نرائن پونا،

یہ اکبر اعظم کے رائج کردہ سنہ الٰہی پر ایک مختصر رسالہ ہے، مصنف نے بڑی محنت و کاوش سے سنہ الٰہی کے دن تاریخ، ماہ، اور سال کا مطالعہ کرکے اون کی عیسوی ہجری اور شکا سنہ سے مطابقت دکھائی ہے،

**ساوتری / فلپیا** } مترجمہ ام، خان میر وکیل، انسین، ناشر جمیعۃ علماء برما، سرتی سنی جامع مسجد، رنگون،

یہ دو تبلیغی ناول ہیں، جو اردو زبان سے انگریزی میں ترجمہ کئے گئے ہیں،

"ص،ع"

**تقریر سیرت،** از مولانا حافظ احمد سعید صاحب، ناظم جمعیۃ علمائے ہند، ۱۹۹ صفحے، قیمت: ۔/عہ

پتہ دفتر الجمعیۃ گلی قاسم جان، دہلی،

مولانا حافظ احمد سعید صاحب دہلوی کی سیرۃ النبی پر ایک مکمل تقریر قلمبند کرکے "تقریر سیرت" کے نام سے شائع کی گئی ہے، موصوف دور حاضر کے مشہور واعظین میں ہیں، مجمع کو گھنٹوں خطاب کرتے ہیں، اور پورا مجمع دلجمعی اور محویت سے گوش بر آواز رہتا ہے، اثنائے تقریر میں بات میں بات پیدا کرتے کہیں سے کہیں جا پہنچتے ہیں، اور مذہب اخلاق، معاشرت اور اصلاح کے سینکڑوں معارف و نکات، قصص و حکایات اور لطائف و ظرائف بیان کرجاتے ہیں، اور پھر دو لفظوں کی تمہید سے گریز پیدا کرکے اصل موضوع پر آجاتے ہیں، یہی طرز خطاب اس رسالہ میں بھی موجود ہے، خطبہ سیرت پر ہے، مگر دور حاضر کے اسلامی ہند کے مسائل میں شاید کوئی مشکل سے

ایسا موضوع نکلے جو اسمیں سمایا نہ ہو، تقریر مجموعی حیثیت سے بیحد دلچسپ اور مطالعہ کے لائق ہی،

**زہق الباطل**، ازجناب ابو الفضل شمس البنی صاحب شمس امروہوی، ۹۵ صفحے، پتہ :- ہمدرد بک ایجنسی، سہارنپور،

اس رسالہ میں اس کے مؤلف اور ایک قادیانی مناظر سے تحریری مناظرہ کے مکاتیب شائع کئے گئے ہیں جنمیں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی نبوت اور مجددیت پر مباحثہ ہوا ہی، مؤلف نے دیباچہ میں مسئلۂ ختم نبوت کی تشریح کی ہو، اور عہد اسلامی کے جھوٹے نبیوں کا تعارف کرایا ہی،

**کتاب الصلوٰۃ**، ازجناب شیخ علی جواد صاحب لکچرر مسلم یونیورسٹی انٹرمیڈیٹ کالج علیگڑھ، حجم ۱۳۰ صفحے، قیمت درج نہیں،

کتاب الصلوٰۃ دو رسائل کا مجموعہ ہے، پہلا رسالہ (۵۰ صفحے) سیرت امام احمد بن حنبل ہی اسمیں ان کے سوانح حیات مختلف ماخذوں سے جمع کرکے محنت اور ذوق کیساتھ لکھے گئے ہیں، اور دوسرا رسالہ (۸۰ صفحے) امام موصوف کی کتاب کا ترجمہ ہے، یہ رسالہ امام احمد نے ایک ایسی جماعت کے پاس لکھ کر بھیجا تھا، جسکے ساتھ انھوں نے نماز ادا فرمائی تھی، اور ان کی نمازیں صحیح طریقہ سے ادا نہیں ہوئی تھیں، امام موصوف نے اسمیں انکی غلطیاں بتائی ہیں، اور احادیث و آثار کے ذریعہ صحیح نماز کا طریقہ بیان فرمایا ہی،

**نذر امجد**، ازجناب حکیم الشعرا سید احمد حسین امجد حیدرآبادی، ۴۱ صفحے، عماد پریس حیدرآباد دکن، قیمت ۶؍

یہ حضرت حکیم الشعرا سید احمد حسین امجد حیدرآبادی کی چند مسلسل رباعیاں ہیں، جنمیں موصوف نے آنحضرت صلعم کے مکہ سے مدینہ ہجرت فرماکر تشریف لیجانے کے واقعات کی مصوری اپنے خاص رنگ میں کی ہی،

**سرور دو عالم**، ازجناب فضل کریم دُرّانی بی اے، ناشر پکوآرٹ پریس، موچی دروازہ لاہور، ۱۹۰ صفحے، قیمت عہ

یہ رسالہ سیرت نبوی میں ہی جو سہل و آسان زبان میں لکھا گیا ہی، اس رسالہ کا تذکرہ اس سے پہلے ان صفحات میں آچکا ہی، اب اس کا طبع ثانی شائع ہوا ہے،

"س"

| عدد ۵ | ماہ محرم الحرام ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۳۵ء | جلد ۳۵ |
| --- | --- | --- |

## مضامین